خاتون جنت

مائل خیر آبادی

عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے....

گزارش

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ تجھے اپنی کون سی کتاب پسند ہے تو میں جواب دوں گا کہ مجھے اپنی لکھی ہوئی ہر کتاب پسند ہے اور دلیل یہ دوں گا کہ میری تمام تخلیقات میری زندگی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ مجھے اپنی تخلیقات سے اپنی اولاد کی طرح محبت ہے۔ میں جس طرح اپنی اولاد کے سلسلے میں تمیز اور فرق محسوس نہیں کرتا۔ اسی طرح اپنی کسی تصنیف کو دوسری پر ترجیح دینا میرے لئے محال ہے۔

میں جب کسی موضوع پر کتاب لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو پہلے اس کا گہرا مطالعہ کرتا ہوں۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ دوسروں نے اس موضوع پر کس طرح کیا لکھا ہے۔ پھر سوچتا ہوں کہ میں کس طرح آسان زبان اور سہل انداز میں پیش کروں کہ خاص و عام اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اس کے بعد نوٹس تیار کرتا ہوں۔ نوٹس تیار کر کے لکھنا شروع کرتا ہوں۔ کوشش کرتا ہوں کہ بھرتی کی عبارتوں سے پرہیز کروں اور خواہ مخواہ کتاب کو ضخیم نہ کروں۔ میں عوام کی خاطر خواص کا خیال کم کرتا ہوں۔ اسی لئے علمی بحثوں اور علم الکلام اور فلسفہ و منطق کی پیچیدگیوں سے عوام کو بچاتا ہوں۔ سیدھے طور پر

بات پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ میں اپنے دل کی بات کسی طرح دوسرں کے دل میں اتار دوں۔

میں یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا اور نہ سوچتا ہوں کہ جو کچھ میں عوام کے لیے لکھتا ہوں وہ علم دین رکھنے والے اونچے لوگ بھی پسند کر سکتے ہیں یا پسند کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ پہلی بار مجھے اس وقت ہوا جب میں نے جولائی ۱۹۷۷ء میں ام المومنین حضرت عائشہ رضہ کے عنوان سے خواتین اور طالبات کے لئے ایک نمونہ عظیم نمبر شائع کیا۔ اس پر اخبار و رسائل نے بڑے اچھے تبصرے کئے ذی علم طبقے میں یہ کتاب زیر بحث رہی۔ اللہ نے اس کتاب کو ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ عرب کے مشہور مقام طائف کے ایک بزرگ سید منظور حسن صاحب نے اپنے خرچے سے پاکستان میں دس ہزار نسخے چھپوا کر مفت تقسیم کئے۔ پھر مجھے ترغیب دلائی کہ میں اسی طرح کی ایک کتاب "خاتون جنت" کے نام سے بھی ترتیب دوں

سید منظور حسن صاحب نے یہ بات ریڈینس دہلی کے فاضل مدیر جناب رضوی صاحب کے ذریعہ مجھ تک پہنچائی۔ رضوی صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ بات میرے دل میں آگئی۔ میں نے اس موضوع پر مواد فراہم کیا۔ کئی بار غور سے پڑھا اور اب دو برس کی محنت پڑھنے والوں کے سامنے ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ قارئین کرام اسے نمونہ عظیم نمبر کی طرح پسند کریں گے یا نہیں لیکن مجھے یہ کتاب اسی طرح پسند ہے جس طرح نمونہ عظیم نمبر۔ دعا ضرور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی مقبولیت عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں۔ فیصلہ پڑھنے والے ہی کریں گے۔ اتنی ان سے درخواست ضرور ہے کہ میرے لیے اور محرک کتاب جناب منظور حسن صاحب کے لئے دعائے خیر ضرور فرمائیں۔ والسلام

(مائل خیرآبادی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

تعارف

حضرت فاطمہ زہرا رض اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے چھوٹی اور بہت ہی پیاری بیٹی تھیں۔ اسلامی تاریخ میں حضورؐ کے بعد جن بزرگ ہستیوں کا نام نامی آتا ہے ان میں آپ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ، آپ کے چچازاد بھائی علی رض اور نواسے حسن وحسین رضی اللہ عنہم کا نام بڑے ادب و احترام سے لیا جاتا ہے۔ حضرت خدیجہ رض بی بی صاجبہ کی ماں تھیں۔ حضرت علی رض شوہر اور حسن رض وحسین رض بیٹے۔ چونکہ سیرت الزہرا سے ان محترم ہستیوں کا گہرا تعلق ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مختصر طور پر ان بزرگوں کا تعارف کرا دیا جائے تو مناسب رہے گا۔

حضرت خدیجہ رض

حضرت خدیجہ رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے زمانے میں مکہ معظمہ کی ایک نہائت مالدار اور رئیس خاتون تھیں۔ یکے بعد دیگرے دو بار شادی کر چکی تھیں لیکن ان شوہروں میں سے کسی کی زندگی نے وفا نہ کی۔ دونوں ایک ایک اولاد چھوڑ کر انتقال کر گئے اور حضرت خدیجہ رض بیوہ ہو گئیں۔ والد کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ والد اور شوہروں کے ترکے سے ان کو کافی دولت ملی۔ چونکہ حسین وجمیل اور پاکیزہ اخلاق تھیں اس لئے بہت سے رئیسوں نے شادی کا پیام دیا لیکن وہ تیار نہیں ہوئیں۔ دولت کو تجارت میں لگایا کرتیں یہ کہ منافع طے کر کے کسی شخص کو مال دے دیتیں۔ وہ قافلے کے ساتھ باہر جاتا۔

مال بیچ کر واپس آتا۔ حساب ہوتا اور جو جس کے حصے میں آتا لے لیتا۔

حضورؐ اس وقت اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے۔ ابو طالب مالدار نہیں تھے۔ وہ تجارت میں روپیہ نہیں لگا سکتے تھے۔ اس لئے جب حضورؐ بڑے ہوئے تو آپؐ بھی منافع طے کرکے لوگوں کا مال لے جانے لگے۔ مکے میں آپؐ کی دیانت۔ صداقت اور سمجھداری کی دھوم تھی۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے بھی آپؐ کی شہرت سنی منافع طے کرکے مال سپرد کیا اور ایک غلام ساتھ کر دیا۔ واپسی پر حضرت خدیجہ رضؓ کے سامنے کئی باتیں آئیں اول یہ کہ اس بار منافع بہت زیادہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ غلام نے حضورؐ کے اخلاق اور دیانت کی بڑی تعریف کی تو حضرت خدیجہ رضؓ کا دل آپ کی طرف مائل ہوا اور انھوں نے حضورؐ سے شادی کرلی۔ اسوقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال اور خدیجہ رضؓ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ شادی کے بعد اور قریب سے حضورؐ کے عادات و اطوار کو دیکھنے کا موقع ملا تو آپ سے بے انتہا محبت کرنے لگیں۔ محبت کا عالم یہ تھا کہ نوکر اور غلام موجود تھے پھر بھی وہ حضورؐ کے کام خود کرتیں اور خوش ہوتی تھیں۔ حضورؐ بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہیں حضورؐ نے دوسری شادی نہیں کی جب کہ عرب میں اس وقت زیادہ سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔

حمائتِ رسول

حضورؐ جب چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی بنایا۔ آپؐ نے اپنے نبی ہونے کا ذکر حضرت خدیجہ رضؓ سے کیا۔ انھوں نے فوراً تائید کی ایمان لائیں اور کسی جھجک کے بغیر بولیں۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بیکسوں اور فقیروں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ مہمان نواز ہیں۔ حق کی طرفداری کرتے ہیں آپؐ کو تو نبی ہونا ہی چاہئے مطلب یہ کہ حضرت خدیجہ رضؓ مسلمان ہوگئیں۔ حضورؐ کی نبوت پر سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اتنا ہی نہیں۔ فوراً ایک عیسائی عالم اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں ان سے بھی تصدیق کرائی۔ پھر تن من دھن سے آپؐ کی حامی و مددگار بن گئیں۔ آپؐ نے مکہ معظمہ میں

ید کی آواز بلند کی تو مکے کے سردار آپ سے ناراض ہو گئے۔ وہ آپؐ کو بُرا کہنے اور ستانے لگے۔ اس
نت حضرت خدیجہ رضہ حضور م کو تسلی دیتی تھیں۔ اپنی باتوں سے آپؐ کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔ انھوں
نے آپؐ کو تبلیغ اسلام کے لئے فارغ کر دیا۔ کئی چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ انھیں خود سنبھال
ا۔ انھیں اسلام پر فدا ہونے کی تربیت دینی شروع کر دی۔ چنانچہ تاریخ میں ملتا ہے کہ ایک
کفار مکہ نے حضور م کو گھیر لیا۔ حضرت خدیجہ رضہ کے پہلے شوہر سے ہالہ نام کا ایک لڑکا اب جوان ہو چکا
ا۔ اس نے سنا تو بے تحاشا دوڑ پڑا اور اس سے پہلے کہ تلواریں حضورؐ پر پڑیں اس نے سارے
ر اپنے اوپر لے لئے۔ اتنے میں خاندان کے دوسرے لوگ پہنچ گئے۔ حضورؐ زندہ و سلامت
ر آئے۔ ساتھ ہی حضرت خدیجہ رضہ کے جوان بیٹے کی لاش بھی آئی۔

حضرت ہالہ رضہ تو جوان تھے۔ حضرت خدیجہ رضہ نے چھوٹے چھوٹے بچوں میں حمایتِ رسولؐ کا وہ
بہ بھر دیا تھا کہ پانچ پانچ چھ چھ برس کے بچے کافروں سے ٹکر لیتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضہ کے
ین کے حالات میں ایسے واقعات پڑھئے گا۔

ب ابی طالب میں شعب ابی طالب ایک گھاٹی کا نام ہے۔ مکہ معظمہ سے تھوڑی ہی دور پر
ہے۔ مکے کے سرداروں کے دبانے سے جب اسلام کی آواز نہ دبی اور
مسلمان ہوتے گئے تو کفار مکہ نے آپؐ کا بائیکاٹ کر دیا۔ خاندان کے بزرگ اور سرپرست
ؐ کے چچا ابو طالب نے یہ دیکھا تو اپنی مقبوضہ گھاٹی "شعب ابی طالب" میں سارے خاندان
لے گئے اور وہاں پناہ لی۔ خاندان کا صرف ایک فرد ابولہب ساتھ نہ گیا۔ وہ کافروں کیساتھ رہا۔

اس گھاٹی میں حضرت خدیجہ رضہ اپنے بچوں کے ساتھ آپؐ کے ساتھ تھیں۔ پورے تین سال
ی تکلیف سے یہاں زندگی بسر کی۔ حضرت سعد بن وقاص رضہ کہتے ہیں کہ اکثر یہ نوبت آجاتی تھی۔
ہمیں کہیں سوکھا چمڑا مل جاتا تو ہم اُسے پانی میں بھگو کر باری باری سے چوستے اور اس طرح

بھوک کو تسکین دیتے تھے۔ ماؤں کا بُرا حال تھا۔ ان کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا تھا۔ دودھ پیتے بچے بھوک کے مارے تلملاتے تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہ رض کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ ہو گئی تھی۔ اس بڑھاپے میں رسولؐ خدا کی حمایت اور ایمان کے سہارے ان تین برسوں کی دل ہلا دینے والی صعوبتوں کو سہہ لیا لیکن انہی صعوبتوں نے بوڑھی جان کو گھلا دیا۔ تین برس کے بعد جب بائیکاٹ ختم ہوا۔ تو پھر ایسی گریں کہ سنبھل نہ سکیں۔ عمر کے ۶۵ ویں سال میں انتقال فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنی یاد چھوڑ گئیں۔

اُمّ المومنین خدیجہ رض کے بعد حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اچھی سے اچھی بیویاں عطا فرمائیں لیکن حضورؐ کے دل سے ان کی یاد نہ گئی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ:۔

"حضورؐ حضرت خدیجہ رض کا ذکر اس طرح ہمارے سامنے فرماتے کہ ہمیں رشک آتا۔ ایک بار ان کی یاد میں غمگین تھے کہ میں نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپؐ قریش کی بوڑھی عورتوں میں سے ایک معمر خاتون کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر بیویاں آپؐ کو دیں۔ یہ سُنکر حضورؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا "ہرگز نہیں، یہ میری وہ بیوی تھیں کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائیں اور جب لوگ میری مدد نہیں کر رہے تھے اس وقت انھوں نے مال دیکر میرا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مجھے اولاد عطا فرمائی جب کہ دوسری بیویوں سے میری کوئی اولاد نہیں۔"

ایسی حامی اسلام اور شوہر کی خدمت کرنے والی عظیم خاتون کی بیٹی حضرت فاطمہ رض تھیں جو طرف عظیم باپ کی شبیہہ تھیں تو دوسری طرف عظیم ماں کا نمونہ۔ تمام علمائے اسلام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ع میں کامل ترین حضرت مریمؑ بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون ہیں اور افضل ترین حضرت الکبریٰ رض۔ حضرت فاطمہ رض اور حضرت عائشہ رض اور ایک حدیث میں ہے کہ تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا عورتوں میں مریمؑ، خدیجہ رض، فاطمہ رض اور آسیہؑ کافی ہیں۔ یہ تمام حدیثیں آگے چل کر ہم تفصیل کے ساتھ فضائل

کے عنوان سے بیان کریں گے۔

حضرت علیؓ

حضرت علی رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام ابوطالب تھا۔ حضورؐ نے چچا ابوطالب سے حضرت علی رضؓ کو مانگ لیا تھا۔ اس وقت حضرت علی رضؓ کی عمر پانچ برس کی تھی اسی وقت سے حضورؐ کے ساتھ رہنے لگے۔ حضورؐ سے تربیت حاصل کرتے رہے۔ حضورؐ جو فرماتے، حضورؐ کو جو کچھ کرتے دیکھتے، وہ سب یاد رکھتے اور اس پر عمل کرتے۔ پھر جب حضورؐ نبی ہوئے اور حضرت علیؓ نے سنا تو کسی جھجک کے بغیر ایمان لے آئے۔ آپؐ کو اللہ کا نبی مان لیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی۔ انہی دنوں میں ایک بار حضورؐ نے اپنے خاندان والوں کی دعوت کی۔ حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ سب کو بلا لائیں۔ وہ بلا کر لائے۔ کھانا کھانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سامنے اسلام پیش کیا اور فرمایا کہ کون دین کی راہ میں میری مدد کرتا ہے۔ سب چپ بیٹھے رہے۔ حضرت علیؓ ابھی بارہ سال سے کم ہی تھے کھڑے ہوئے اور بولے "میں آپؐ کی مدد کروں گا"۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضؓ بچپن ہی سے بہت ذہین اور بہادر آدمی تھے۔ بچپن میں جو عہد کر لیا۔ عمر بھر نبھایا۔ حضورؐ اُن سے اور وہ حضورؐ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپؐ نے ان کی تعریف میں بڑے اچھے الفاظ فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ علیؓ باب العلم ہیں یعنی دین کا دروازہ۔ جس کو دین سمجھنا ہو اُسے چاہیئے کہ سب سے پہلے علی رضؓ کی شاگردی کرے۔

حضرت عائشہ رضؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون پیارا تھا؟ بولیں "فاطمہ"۔ اس شخص نے پوچھا "مردوں میں؟" فرمایا "فاطمہ کے شوہر"۔ حضرت عائشہ رضؓ ہی نے اہلبیت والی حدیث بیان فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت علی رضؓ بھی حضورؐ کے اہلبیت میں ہیں۔ اس حدیث

کو بھی آگے چل کر ہم تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ اس طرح کی بہت سی حدیثیں حضرت علی رضہ کی شان میں آئی ہیں۔ بہادری کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ نے جس مہم پر بھیجا، حضرت علی رضہ سر کر آئے۔ کوئی دشمن ان سے کبھی نہیں جیتا۔ عمر بھر دین کو بلند کرنے میں جان کھپاتے رہے۔ ایک واقعہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور نصیحت والا بھی۔ کسی جنگ میں ایک مشہور پہلوان سے مقابلہ ہوا۔ آپ نے اسے پٹک دیا اور سینے پر چڑھ بیٹھے۔ چاہا کہ اس کا گلا کاٹ دیں۔ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کے تھوکتے ہی سینے سے اُتر آئے اور الگ کھڑے ہو گئے۔ وہ پہلوان دنگ رہ گیا۔ پوچھا آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا "میں تجھ سے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لئے لڑ رہا تھا۔ جب تو نے مجھ پر تھوکا تو مجھے غصہ آگیا۔ اب میرا نفس تیرے قتل میں شامل ہو گیا۔ اس لئے الگ ہو گیا" اس واقعے سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضہ عمر بھر خالصۃً للہ ہر کام کرتے تھے۔ اللہ کی رضا ہر وقت پیش نظر رہتی۔ بے حد فیاض تھے۔ خود بھوکے رہتے۔ دوسروں کا پیٹ بھر دیتے۔ دنیا ان کو چھو تک نہیں گئی تھی۔ ایسے متقی اور عظیم شخص سے حضورؐ نے اپنی پیاری بیٹی کی شادی کی اور بیٹی سے فرمایا کہ میں نے خاندان میں سب سے اچھے شخص سے تمہاری شادی کی ہے۔ حضرت فاطمہ رضہ جب تک زندہ رہیں حضرت علی رضہ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت علی رضہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ خلیفہ ہو کر بھی غریبانہ زندگی بسر کی۔ ایک پائی بھی اللہ اور اللہ کے رسول کے حکموں کے خلاف خرچ نہیں کی۔ خلیفہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔

حضرت حسنؓ اور حسینؓ

حضرت حسنؓ اور حسین رضہ حضرت علی رضہ کے فرزند ارجمند تھے۔ بی بی فاطمہ رضہ ان کی ماں تھیں۔ حضرت حسن رضہ نے حضرت علی رضہ کے بعد چھ مہینے خلافت کا کام انجام دیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضہ کو خلافت سونپ دی۔ حسین رضہ ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت معاویہ رضہ نے جب یزید کو خلیفہ بنایا تو حضرت حسین رضہ نے یزید کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ یزید ان کا دشمن ہو گیا۔ ایک بھاری فوج بھیجکر کربلا کے مقام پر انھیں شہید کروا دیا۔

حسن و حسین رضؓ دونوں بھائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمشکل تھے۔ حضورؐ نے دونوں کو اپنا بیٹا فرمایا۔ جنت کے نوجوانوں کا سردار فرمایا اور بہت تعریف فرمائی اور یہ سب محض اس لئے نہیں کہ وہ نواسے تھے بلکہ ہونہار بروان کے ہوت چکنے پات۔ حضورؐ نے اپنی فراست سے سمجھ لیا تھا کہ جو بچے علیؓ اور فاطمہؓ کی گود میں پلیں گے اور ان کی تربیت میں رہیں گے وہ ایسے اور ایسے عظیم مسلمان ہوں گے۔ یہ ایک طرح کی پیشین گوئی بھی تھی جو سچ ثابت ہوئی۔

مزید تعارف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں دو بیٹے قاسم اور عبداللہ اور بیٹیوں میں چار صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے بطن سے ہوئیں۔ بیٹے بچپن میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بیٹیاں زندہ رہیں۔ حضورؐ نے ان سب کے بیاہ کئے۔ ان میں سب سے چھوٹی حضرت فاطمہؓ تھیں۔ اصل نام فاطمہ ہی تھا۔ بتولؓ زہرا، خاتون جنت اور سیدہ النساء کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

چاروں بہنوں میں بے حد محبت تھی۔ زندگی بھر کسی کے روٹھنے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ حضرت رقیہؓ کا انتقال حضرت فاطمہؓ کے سامنے ہوا۔ اس وقت حضورؐ بدر کی لڑائی کے سلسلے میں مدینے سے باہر تھے جب آپؐ تشریف لائے تو حضرت رقیہؓ کی قبر پر گئے۔ حضرت فاطمہؓ ساتھ تھیں۔ بہن کی محبت میں قبر کے پاس بیٹھ کر رو دی جاتی تھیں اور حضورؐ کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

صورت اور سیرت

حضرت فاطمہؓ کی سوتیلی ماں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی نظر میں بیٹی کی ایک ایک ادا تھی۔ وہ فرماتی ہیں کہ فاطمہؓ کی بات چیت، فاطمہؓ کے بات کرنے کا لہجہ، فاطمہؓ کا ہنسنا اور مسکرانا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا۔ کھانا پینا، غرضیکہ ایک ایک انداز حضورؐ سے ملتا جلتا تھا۔ یعنی صورت اور سیرت میں ہو بہو عظیم باپ کا عظیم نمونہ تھیں۔

بچپن اور ماں کا کمال تربیت

حضرت فاطمہؓ زہرا کا بچپن والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی نگرانی میں گذرا۔ اس وقت حال یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے

نبوت عطا فرمائی تھی۔ نبوت کے کارِ عظیم میں آپ کو گھر کی دیکھ بھال کے لئے کچھ بھی وقت نہ ملتا تھا۔ مکے کے سردار پوری قوت سے تحریک اسلامی کی مخالفت کر رہے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کا یہ کارنامہ عظیم ہے کہ تحریک اسلامی کے اس نازک دور میں انھوں نے ایک طرف جان و مال اس کام میں لگا دیا تھا دوسری طرف اپنی اولاد کو تحریک اسلامی کا سرگرم کارکن بنانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ اللہ رسول اللہ اور اسلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بچوں کے دلوں میں بھر رہی تھیں۔ سب سے زیادہ توجہ اس پر تھی کہ خود بخود بچے بھی تحریک اسلامی کی حمائت میں جان لڑا دیں۔ چنانچہ اس کا ایک نمونہ وہ ہے۔ جو ہم نے حضرت ہالہ رض کی شہادت کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔ حضرت خدیجہ رض نے ننھی بی بی حضرت فاطمہ رض کے دل میں بھی دین کی حمائت کا جوش بھر دیا تھا۔ ان کے بچپنے میں ابو جہل کی شرارت کا مشہور واقعہ پیش آیا۔

حضورؐ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھ کر ابو جہل اپنے شیطانوں سے بولا۔ "مزہ آجائے گا اگر کوئی جا کر اونٹ کی اوجھ لے آئے اور محمد پر ڈال دے"۔

عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی اوجھ لے آیا اور جب حضورؐ سجدے میں گئے تو اس نے اوجھ آپؐ پر ڈال دی سارے شیطان قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ حضرت فاطمہ رض اس وقت چھ برس کی تھیں۔ خبر ہوئی تو دوڑیں۔ حضورؐ کے اوپر سے اوجھ ہٹائی اور بھرے مجمع میں کافروں کو بہت برا کہا۔ کافروں کا ڈر اور خوف ان پر ذرا بھی نہ تھا۔ حضرت فاطمہ رض نے عقبہ کو بددعا بھی دی۔

شادی

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض اپنی بچیوں کی تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر خالص اسلامی انداز سے کر رہی تھیں۔ اسلامی تعلیم بچیوں میں بچپن سے رچ بس گئی تھی۔ ان میں دو پیاری بچیوں (حضرت رقیہ رض اور ام کلثوم رض) کی منگنی ابو لہب کے بیٹوں کے ساتھ ہو چکی تھی۔ وہ خاندان نبوت کے انداز دیکھ رہا تھا۔ اُسے اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر یہ لڑکیاں گھر میں آئیں تو سب پر یہی رنگ چڑھنے لگے گا۔ چنانچہ اس خطرے سے اس نے منگنی ختم کر دی۔ یہ ثبوت ہے اس

بات کا کہ حضرت خدیجہ رضہ اپنی اولاد کی تربیت کس انداز سے کررہی تھیں۔

ایک رخ یہ تھا کہ اسلام کے دشمن حضورؐ سے رشتہ کرنے سے بچتے تھے۔ دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام کے شیدائی خاندان نبوت سے نسبت کو فلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت فاطمہ رضہ بالغ ہوئیں تو صحابہ رضہ میں سے بڑے بڑے لوگوں نے درخواست پیش کی لیکن حضورؐ نے ۲ھ میں علی رضہ کے ساتھ حضرت فاطمہ رضہ کا نکاح کر دیا۔

تقریب شادی

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی سے ایک سال پہلے ام المومنین حضرت عائشہ رضہ کی شادی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوچکی تھی۔ حضرت عائشہ رضہ کے علاوہ اور بھی کئی سوتیلی مائیں تھیں۔ حضرت فاطمہ رضہ نے اپنے پیارے اخلاق وآداب سے ماؤں کے دلوں کو موہ لیا تھا۔ حضرت عائشہ رضہ کا ساتھ ایک سال ہی رہا پھر بھی بیٹی کی شادی کی خوشی سب سے زیادہ انہی کو تھی۔ انھوں نے مکان لیپا پوتا۔ بستر لگایا۔ اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے۔ چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کئے۔ لکڑی کی ایک الگنی تیار کی تاکہ بیٹی اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے اس "شان" کی چیزیں دے کر حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ رضہ کے بیاہ سے اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا۔

"جس "شاندار" بیاہ کی تعریف حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں اس میں اگر حضرت علی رضہ کی طرف سے آئے ہوئے جوڑوں کی تفصیل بیان کردی جائے تو اس "شاندار" بیاہ کی "شان" دوبالا ہو جائے گی۔

حضرت علی رضہ کا پیام آنے پر حضورؐ نے بیٹی سے رائے لی تو حضرت فاطمہ رضہ چپ رہیں۔ یہ دراصل رضامندی کا اظہار تھا۔ اب حضورؐ نے حضرت علی رضہ سے پوچھا۔ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے "کچھ نہیں"۔ آپؐ نے پوچھا "اور وہ زرہ کیا ہوئی (جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی)، عرض کیا، "وہ تو ہے"۔ فرمایا۔ بس وہی کافی ہے۔ لے آؤ"۔ اس زرہ کو حضرت عثمان رضہ

نے ۴۸۰ درہم میں خرید لیا۔ حضرت علی رضؓ نے یہ رقم حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کے سپرد کر کے حکم دیا کہ بازار سے سامان لے آؤ۔ خوشبو بھی لانا۔

زرہ کے علاوہ اور جو کچھ حضرت علی رضؓ کے پاس تھا، وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک پرانی یمنی چادر تھی۔ انھوں نے یہ عظیم سرمایہ حضرت فاطمہ رضؓ کے حوالے کر دیا۔

دیکھا آپ نے؟ یہ تھا سامان خاتون جنت، سیدۂ عالم، بتول الزہرا، حضرت فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی میں۔ اس شاندار تقریب پر حضرت عائشہ رضؓ کا قول آپ نے سُن لیا کہ انھوں نے اس سے بہتر تقریب شادی نہیں دیکھی۔ حضورؐ حضرت فاطمہ رضؓ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ (اس نکاح کی پوری تفصیل امام بخاری رحؒ نے بخاری شریف میں درج کی ہے)

یہ سب جاننے کے بعد ہمارا آپ کا ذوق ابھی ایک بات کی ٹوہ میں ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے رسولؐ کی بیٹی کا بیاہ ہوا۔ آپ سرکار دو عالمؐ تھے۔ تاجدار مدینہ تھے۔ اسلامی ریاست کے اولین سربراہ کار تھے۔ آپؐ کے صحابہ میں ایک سے ایک صاحب مال آدمی موجود تھا تو یقیناً جہیز سے حضرت علی رضؓ کا یا حضرت فاطمہ رضؓ کا گھر بھر گیا ہوگا۔ ہاں، سوچا تو یونہی جا سکتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نگاہوں میں چکا چوند پیدا کر دینے والے جہیز کی بھی تفصیل عرض کر دی جائے تو اچھا ہی ہے۔

شہنشاہ مدینہ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضؓ کو جو کچھ دیا، وہ یہ تھا۔ بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا ایک گدا، جس کے اندر روئی کے بدلے کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک چھاگل۔ مٹی کے دو گھڑے۔ ایک مشک اور دو چکیاں۔

امام بخاری رحؒ اس "عظیم الشان" جہیز کی تفصیل درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں عمر بھر حضرت فاطمہ رضؓ کی رفیق رہیں۔ پھر محدثین کرام اور علمائے عظام یہ بحث کرتے ہیں

کہ آیا یہ جہیز تھا بھی یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ پانچ برس کی عمر سے حضورؐ کے پاس رہنے لگے تھے۔

حضرت علی رضؓ نے حضورؐ کے ساتھ بچپن گزارا۔ آپؐ کے یہاں پلے بڑھے۔ جوان ہوئے۔ پھر جب شادی ہوئی تو دوسرے مکان کی ضرورت پڑی۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ مدینے کے ایک رئیس تھے۔ ان کے کئی مکانات تھے۔ وہ کئی مکان حضورؐ کی نذر کر چکے تھے۔ بہانہ تلاش کیا کرتے تھے کہ اور کیا اور کب حضورؐ پہ نچھاور کریں۔ ان کو معلوم ہوا۔ دوڑے ہوئے۔ عرض کی کہ حضورؐ! میں خود اور میرے پاس جو کچھ ہے۔ سب آپ کا ہے۔ خدا کی قسم! میں اس میں زیادہ خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میرا مکان میرے پاس رہنے کے بجائے آپ قبول فرمالیں۔

حارثہ رضؓ نے ایک مکان حضرت فاطمہ رضؓ کو دے دیا جو حضورؐ کے حجرے کے پڑوس میں تھا۔ اسی میں وہ سامان پہنچایا گیا جو حضورؐ کی طرف سے دیا گیا اور جس کی تفصیل امام بخاری رحؒ کے حوالے سے ہم نے اوپر درج کی۔

علمائے کرام کہتے ہیں اور ہم بھی ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ یہ سارا سامان حضرت فاطمہ رضؓ کو جہیز میں نہیں دیا گیا تھا بلکہ حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ دوسرے مکان میں منتقل ہو رہے تھے لہٰذا یہ روزمرہ کی ضرورت کا سامان حضورؐ نے بھجوا دیا تھا۔ ورنہ اسی سامان چکی چولھے اور گھڑے کو جہیز کون کہے گا؟ کیا دنیا میں اس طرح کے سامان کو جہیز قرار دینے کی کوئی دلیل بھی تھی یا اب ہے؟ جو لوگ اس سامان کو جہیز کہہ کر اسے "سنّت" کہتے ہیں۔ وہ ضروریات زندگی اور جہیز کے فرق کو سمجھتے ہی نہیں۔ پھر یہ کہ حضورؐ نے اپنی دوسری بیٹیوں کے بھی نکاح کئے تھے۔ ان کو کیا دیا تھا؟ اس کا جواب کہیں نہیں ملتا۔ پھر جہیز اگر "فعل سنّت" ہوتا تو صحابہ رضؓ کے گھروں میں کہیں تو نظر آتا۔

رئیس التجار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ انھوں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی۔ اللہ کا رسولؐ مدینے میں موجود ہے اور اللہ کے رسول کو خبر بھی نہیں۔ دوسرے دن

ابن عوفؓ نے حضورؐ کو بتایا تو حضورؐ نے یہ نہیں پوچھا کہ عبدالرحمٰن! جہیز کیا ملا؟ بلکہ فرمایا" ولیمہ!"

حضرت علی رضؓ تو اتنے غریب تھے کہ دعوت ولیمہ بھی نہ دے سکے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نئے گھر میں جا بسیں تو حضورؐ بیٹی کے گھر گئے۔ آداب اسلامی کے مطابق دروازے پر ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہوئے۔ سلام پکارا۔ اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اس کے بعد گھر میں گئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ آپ نے دونوں ہاتھ اس میں ڈالے۔ حضرت علی رضؓ کے بازوؤں اور سینے پر پانی چھڑکا پھر عزیز بیٹی کو بلایا۔ حضرت فاطمہ رضؓ شرم کے مارے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ آپؐ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا" میں نے اپنے خاندان میں سب سے بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔"

اب ہم ایک حدیث نقل کرتے ہیں اور آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ اسے ملاحظہ فرمانے کے بعد فیصلہ فرمائیں کہ یہ شادی کہاں تک اس حدیث شریف کے مطابق ہے۔ راوی حضرت عائشہ رضؓ ہیں۔

"اِنَّ اَعظَمَ النِّکاحِ برکۃً اَیسرَہُ مُؤنۃً" ـــــــــ (بیہقی)۔

بڑی برکت والا وہ نکاح ہے جو کم سے کم مصارف ومحنت سے وجود میں آئے۔

اس حدیث شریف کو سامنے رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی شادی بہترین شادیوں میں سے ہے۔ سچ کہا، ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے کہ" فاطمہ کے بیاہ سے بہتر کوئی بیاہ نہیں دیکھا۔"

گھریلو زندگی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گھریلو زندگی نہائت سادہ اور بے تکلف تھی بناوٹ سے پاک۔ اور تمام لوگوں کے لئے تقلید کا بہترین نمونہ تھی۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

"کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد وفاطمہ بنت محمدؐ وآسیہ المراۃ فرعون (ترمذی کتاب المناقب فاطمہ رضؓ)

تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؓ کافی ہیں۔

حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سخت آزمائش میں ڈالا اور وہ اس میں پوری اُتریں۔ صبر و شکر میں وہ قابل تقلید نمونہ۔ حضرت خدیجہؓ تحریک اسلامی کی فداکارانہ زندگی میں نمونہ، حضرت آسیہؓ فرعون جیسے کافر کی بیوی ہوتے ہوئے ایمان لائیں اور ظلم و ستم سہے۔ ان کا یہ نمونہ اور حضرت فاطمہؓ اللہ کے آخری رسولؐ کی مکمل پیروی کا نمونہ۔ گھریلو زندگی کی سادگی میں، آرائش اور سجاوٹ اور بناوٹ کی زندگی سے بچنے میں۔ صبر و شکر اور حیاداری میں، فیاضی اور سخاوت میں اور غیرت و خودداری میں مکمل نمونہ۔

واقعات حضرت فاطمہؓ کی شادی کے بعد مدینے کی اسلامی حکومت کی وسعت، ترقی اور دھاک روز افزوں ہوگئی تھی۔ آئے دن ملک فتح ہو رہے تھے۔ مدینے میں مال غنیمت کی ریل پیل تھی اور یہ سب حضرت فاطمہؓ کے والد محترم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تقسیم ہوتا تھا۔ اس مال غنیمت میں اللہ کے رسولؐ پیاری بیٹی کو کیا مرحمت فرماتے تھے؟ یہ سننے کے لئے پہلے دل تھام لیجئے اور اپنی آنکھوں سے سیلاب اشک کو روکنے کی کوشش کر لیجئے۔

سرکار دو عالم، تاجدار مدینہؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کی گھریلو زندگی یہ تھی کہ وہ اپنے ہاتھ سے چکی چلاتی تھیں۔ چکی چلاتے چلاتے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ گھر کی ضرورت کے لئے مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں۔ مشک اُٹھاتے اُٹھاتے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے دھول سے اَٹ جاتے تھے۔ چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے کالے پڑ جاتے تھے۔

سیدہ عالمؓ کی یہ زندگی کیا بناوٹ تھی؟ سوال پیدا ہوتا ہے، کیا یہ رہبانیت کی زندگی تھی؟ نہیں، اس میں رضائے الٰہی اور خدائے قدوس کی خوشنودی کا ایک پہلو تھا جس کی ادائیگی میں

حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ "سابقوا الیٰ مغفرۃ" پر عمل کر رہے تھے۔ حضرت علی رضؓ محنت مزدوری کر کے گھر لوٹتے، راستے میں کوئی فقیر ہاتھ پھیلا دیتا تو جو مٹھی میں آتا، دے دیتے۔ اس فیاضی کا نقشہ ایک شاعر نے اپنی نظم میں کھینچا۔ آخر میں کہتا ہے کہ یہ فیاض علی، اللہ کا ولی: ؎

گھر میں جب پہنچا تو خالی ہاتھ تھا

اور کبھی کچھ گھر میں آجاتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت فاطمہ رضؓ کھانا پکاتیں، کھانے کے لئے حضرت علی رضؓ بیٹھتے، ننھے ننھے بچے حسن حسین رضؓ بیٹھتے اور خود حضرت فاطمہ رضؓ بھی۔ بسم اللہ حضرت فاطمہ رضؓ کرتیں۔ ایک دن کی بات ہے۔ ابھی پہلا نوالہ ہی اٹھایا تھا کہ دروازے پر کسی محتاج نے صدا لگائی۔ حضرت فاطمہ رضؓ کا نوالہ ابھی منہ تک نہ پہنچا تھا کہ ہاتھ رُک گیا۔ حضرت علی رضؓ کا ہاتھ بھی رُک گیا اور ماں باپ کی دیکھا دیکھی ننھے بچوں نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے کھانا محتاج کو دیدیا۔ اور گھر کے لوگوں نے پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کیا اور سو رہے۔ یہ بھی ہوتا کہ کبھی حضرت علی رضؓ اور بچوں کو کھانا کھلا دیتیں پھر خود کھانے بیٹھتیں اور اس وقت کوئی سائل دروازے پر آجاتا تو اپنا کھانا اسے دیدیتیں اور خود پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرتیں۔

سیرۃ النبی کے مشہور اردو مورخ علامہ شبلی رحؒ کبھی کبھی شاعری بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضؓ کی فیاضی اور گھریلو زندگی کی سادگی سے متاثر ہو کر ایک نظم ارقام فرما ڈالی۔ آخری شعر میں فرماتے ہیں:۔

یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا ہاں یہ تھی اہل بیت مطہر کی زندگی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں بھی بیٹی کی تربیت سے غافل نہ تھے۔ آپؐ بیٹی کو دنیا سے بے رغبتی کے انتہائی درجے پہ پہنچانا چاہتے تھے۔ کتنا عبرتناک اور نصیحت آموز واقعہ ہے۔ ایک بار حضرت علی رضؓ حضرت فاطمہ رضؓ کے ہاتھوں کے چھالے دیکھ کر بے حد متاثر ہو گئے۔ مشورہ دیا کہ بدر کا مال غنیمت آیا ہوا ہے۔ حضورؐ سے ایک لونڈی مانگ لو۔ فاطمہ رضؓ باپ سے مانگنے کے

خیال سے پسینے پسینے ہوگئیں۔ حضرت علی رضؓ نے اصرار کیا تو شوہر کے حکم سے حضورؐ کی خدمت میں گئیں۔ حیا کی وجہ سے باپ سے کچھ کہہ نہ سکیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی رضؓ بھی پہنچے۔ وہ فاطمہ رضؓ کی غیرت سے واقف تھے۔ انھوں نے فاطمہ رضؓ کے آنے کی غرض بیان کی۔ باپ جو اس وقت اسلامی ریاست کا سربراہ تھا۔ باپ جو دوسروں کی جھولیاں بھر رہا تھا۔ باپ جو کسی سائل کو نامراد واپس نہ کرتا تھا۔ اسی باپ نے بیٹی سے کہا: "جان سے پیاری بیٹی! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے حقدار ہیں۔" بیٹی اس آستانے سے نامراد لوٹی۔ جہاں سے کوئی کبھی محروم واپس نہ ہوتا تھا۔ جی ہاں یہ ماجرائے دختر خیرالانام ہے۔

ایک بار اور ایسے وقت حضرت فاطمہ رضؓ باپ کی خدمت میں پہنچیں تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کیوں نہ اس مال سے بہتر چیز تم کو دوں۔ تم ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر سوتے وقت پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ یہی وظیفہ آگے چل کر تسبیح فاطمہ رضؓ کے نام سے مشہور ہوا۔ ساری عمر میں یہ اور اسی طرح کی روحانی دولتیں حضرت فاطمہ رضؓ نے باپ سے سمیٹیں۔

اور سنئے، ہر شوہر چاہتا ہے کہ بیوی کو کوئی اچھا تحفہ دے۔ اچھا پہنائے۔ حضرت علی رضؓ کی بھی کوشش یہی تھی۔ ایک بار انھیں غنیمت میں سونے کا ہار ملا۔ لاکر پیش کیا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو بیٹی سے فرمایا: "کیوں فاطمہ! کیا تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ اللہ کے رسولؐ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے!"

سعادتمند بیٹی نے یہ سنا تو ہار بیچ ڈالا۔ اس سے ایک غلام خریدا لیکن آگے چل کر اُسے بھی آزاد کردیا۔

ایک بار حضورؐ کسی جہاد سے واپس آئے۔ ایسے موقع پر سبھی خوشی مناتے ہیں۔ اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ بچوں کو اچھا پہناتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے حضورؐ کے خیر مقدم میں گھر کے دروازے پر پردے لٹکائے۔ حسن حسین رضؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ اب جو حضورؐ تشریف لائے اور آپ نے یہ ٹھاٹ جی ہاں یہ ٹھاٹ دیکھے تو واپس چلے گئے۔ حضرت فاطمہ رضؓ سمجھ گئیں کہ وجہ کیا ہے۔ اسی وقت پردہ

چاک کر دیا۔ بچوں کے ہاتھوں سے کنگن اتار دیے۔ دونوں بچے شکوہ لے کر نانا کی خدمت میں روتے ہوئے گئے۔ نانا جان نے بچوں کو روتے دیکھا۔ دل تھام کر سُنیئے! نانا جان نے فرمایا۔ "یہ میرے گھر کے لوگ ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ٹھیکروں سے آلودہ ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ان کے بدلے فاطمہؓ کے لیے عصیب (تانت پٹھے) کا ہار اور بچوں کے لیے ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔

شادی کے بعد ہر باپ بیٹی کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ہے کہ اپنے گھر میں جیسے چاہے رہے۔ لیکن حضورؐ ہیں کہ بیٹی کی تربیت کرنے سے اب بھی غافل نہیں اور بیٹی ہے کہ باپ کی تربیت کے اثرات قبول کرتی چلی جا رہی ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات

حضرت علیؓ کے ساتھ جب حضرت فاطمہؓ کی شادی ہوئی۔ اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ ناتجربہ کار تھیں۔ اور حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضورؐ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضورؐ کو اس کا احساس تھا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضورؐ کو اطمینان تھا کہ وہ دلدہی میں کسر نہ اٹھا رکھیں گے اور جس طرح حضورؐ سے تربیت حاصل کی ہے اسی کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ ہاں ناتجربہ کار اور بھولی بھالی بیٹی کی طرف ضرور توجہ تھی۔ چنانچہ جہاں اور نصیحتیں فرمایا کرتے تھے، میاں بیوی کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش بھی فرماتے رہتے تھے۔ پھر بھی کون سا گھر ہے جہاں کچھ نہ کچھ نہ ہو جائے تو اس احساس کو سامنے رکھ کر میں نے نہایت باریک بینی سے مطالعہ کیا تو بمشکل شادی کے بعد ابتدائی مراحل میں دو نہایت معمولی واقعات نوٹ کیے۔

ایک بار کسی بات پر حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ سے رنجیدہ ہو گئیں۔ حضورؐ تو ذرا ذرا سی باتوں کی خبر رکھتے تھے۔ آپ کو معلوم ہوا۔ فوراً تشریف لے گئے اور صلح و صفائی کرا دی۔ پھر خوش خوش گھر سے نکلے۔

لوگوں نے پوچھا کہ آپ فاطمہؓ کے گھر گئے تھے تو آپ کی حالت کچھ اور تھی۔ اَب آپ بہت خوش وخرم ہیں۔ فرمایا کہ میں نے ان دو ہستیوں کے درمیان میل کرا دیا جو مجھ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔

دوسرا واقعہ اولاد کو تربیت دینے اور نصیحت کرنے کا عجیب وغریب ہے۔ حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ سے کچھ شکایت ہوگئی۔ انہوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ اپنی غیرت داری کی وجہ سے برداشت نہ کر سکیں تو حضورؐ کے پاس شکوہ کرنے چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی گئے حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموشی سے چلا آرہا ہے۔

اس بات کا اثر طرفین پر یہ ہوا کہ حضرت فاطمہؓ نے اس دن سے منہ پر تالا لگا لیا اور حضرت علیؓ نے کہا، فاطمہؓ! آج سے میں تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ کروں گا۔

سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ دو ہستیوں کا تمام عمر غربت وافلاس میں زندگی گزار دینا اور راضی برضا رہنا معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اگر بچّوں کا ساتھ اور ان کی محبّت کو شامل کر لیا جائے تو بات اور بھی غیر معمولی ہو جاتی ہے۔ اقرار کرنا پڑے گا کہ حضرت فاطمہؓ نے اپنا دینی واخلاقی معیار اتنا بلند کر دیا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو اعتراف کرنا پڑا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے لیے جو اچھے الفاظ استعمال فرمائے وہ محض بیٹی کی محبّت کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے کردار کی بلندی کو دیکھ کر فرمائے۔ ورنہ سیرتِ رسولؐ کا مطالعہ کرنے والے ہر قاری کو حضورؐ کی وہ تنبیہہ بھی یاد ہوگی جو آپؐ نے آخرت کی باز پُرس کے متعلق اپنے خاندان والوں کو مخاطب کر کے فرمائی تھی۔ آپ نے نام لے کر گھرانے والوں کو آخرت کے حساب کے بارے میں چوکنا فرما دیا تھا۔ آپؐ نے چچا عباسؓ۔ پھوپی صفیہؓ وغیرہ کا نام لیا۔

اور آخر میں حضرت فاطمہؓ کا نام لے کر فرمایا:۔

"فاطمہ! اس غرور میں نہ رہنا کہ تو اللہ کے رسولؐ کی بیٹی ہے۔ میں تجھے آخرت کی باز پرس سے نہیں بچا سکتا۔"

یہ تھا وہ نازک پہلو جس کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کی تربیت فرما رہے تھے اور سب سے زیادہ توجہ (جسے ایک طرح کی سختی بھی کہہ سکتے ہیں) حضرت فاطمہؓ پر تھی۔ سعادت مند بیٹی نے یہ راز پا لیا اور اپنے کو اسی اصول کے مطابق سنوارنے کی کوشش کی۔ پھر اپنے بچوں کی تربیت اسی زرّیں اصول پر کی۔

اولاد کی تربیت

حضرت بی بی فاطمہؓ نے اپنے بچوں کی تربیت بالکل اسی طرح کی جس طرح خود حضورؐ سے تربیت حاصل کی تھی۔ رضائے الٰہی اور خدا کی خوشنودی کو بی بی صاحبہ نے بھی تربیت کی اصل قرار دیا۔ بات بات میں اللہ ہمارا رب ہے اللہ ہم پر بڑا مہربان ہے۔ دیکھو اس مہربان کو ناراض نہ کرنا۔ اللہ بڑی خوبیوں والا ہے۔ اللہ کو یہ پسند ہے اور یہ ناپسند ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے اور یہ نہیں چاہتا وغیرہ جیسے فقرے اور جملے بچے گھر میں سنتے اور شعوری وغیر شعوری طور پر اثر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل واقعہ تو سونے کے حروف میں لکھنے کا ہے جو میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ محض یادداشت پر لکھ رہا ہوں۔

حضرت حسن و حسینؓ کے بچپن کا واقعہ ہے۔ یہی کوئی چار پانچ یا پانچ چھ برس کے ہوں گے۔ عمر میں ایک سال کا فرق تھا۔ دونوں بھائی برابر کے لگتے تھے۔ بچے تو تھے ہی۔ ایک بار کسی بات پر لڑ پڑے۔ نوبت مار پیٹ کی آ گئی۔ اس کے بعد دونوں بھائی ماں سے شکایت کرنے گئے۔ ایک نے دوسرے کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھے پیٹا۔ حضرت فاطمہؓ نے دونوں کی شکائتیں سنیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں یہ نہیں جاننا چاہتی کہ حسن نے حسین کو پیٹا یا حسین نے حسن کو۔

ہیں تو یہ جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جھگڑا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ تم دونوں نے آپس میں لڑکر اللہ کو ناراض کرلیا۔ جاؤ بھاگو، دور ہو میری نظروں سے۔ جس سے اللہ ناراض، اس سے میں بھی ناراض!

غور فرمائیے۔ حضرت فاطمہؓ جیسی ماں، جس سے بچے غیر شعوری طور پر متأثر۔ ماں کی محبت میں سرشار۔ ایسی ماں سے یہ کلمات سُن کر معصوموں کے دلوں پر کیا بیتی ہوگی؟ دونوں چُپ۔ لڑنا جھگڑنا بھول لے۔ اب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ خواہ مخواہ لڑکر ماں کو ناراض کرلیا اور ماں کا عالم؟ ماں بظاہر غصے میں لیکن کنکھیوں سے دونوں کا جائزہ لے رہی ہیں کس پیار کا غصّہ ہے کہ مائل بھی کئے ہیں۔ دونوں بچے ماں کی ناراضی کو برداشت نہ کرسکے۔ آپس میں صلاح کرلی۔ پھر ماں کے پاس گئے۔ عرض کیا۔ اللہ سے ہماری خطا معاف کرادیجئے۔ اب ہم کبھی نہ لڑیں گے۔ اب ماں ہیں کہ آگے آگے مغفرت والی دعائیں پڑھ رہی ہیں اور پیچھے پیچھے بچے وہی الفاظ دہرا رہے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد جس کا جی چاہے تاریخ وسوانح حیات کی کتابیں مطالعہ کرجائے۔ دیکھے گا کہ اگر ایک طرف حسن و حسینؓ نمونے کے مسلمان تھے تو دوسری طرف بہترین بھائی بھی تھے۔ حق گوئی کے ساتھ حفظ مراتب کا لحاظ دونوں کا وصف تھا۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں نے دنیا والوں کو جو نمونۂ زندگی دیا۔ اس کے بنانے میں حضرت فاطمہؓ سے زیادہ کسی کا حصّہ ہوسکتا ہے تو اُسی کا ہوسکتا ہے جس کے الفاظ قرآن میں اس طرح ہیں۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ یا پھر اس کا جس نے قرآن کے یہ الفاظ دنیا کے سامنے پیش فرمائے۔

باپ کی وفات

دنیا کی ہر شے فانی ہے۔ یہاں جو آیا اس کے لیے موت یقینی ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے۔ حضرت آدمؑ نبی تیجے زمیں کے چل بسے۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک دن اللہ کو پیارے ہو ہی گئے۔ وہ آخری رسول جو بی بی فاطمہؓ

کے مشفق باپ تھے۔ بہترین مربیّ تھے۔ ایسے مشفق مہربان اور مربیّ باپ کا دنیا سے اٹھ جانا حضرت فاطمہؓ کے لئے معمولی سانحہ اور صدمہ نہ تھا۔ پھر وہ منظر کہ باپ پر بار بار غشی طاری ہوتی اور بیٹی کھلی آنکھوں سے دیکھتی۔ ایک بار نہ رہا گیا۔ باپ کی تکلیف دیکھ کر چیخ اٹھیں "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی حضورؐ نے سنا۔ فرمایا "بیٹی! آج کے بعد تمہارا باپ بے چین نہ ہوگا۔" ایک بار ایسی ہی حالت میں بیٹی کو پاس بلایا اور ان کے کان میں کچھ کہا۔ بی بی فاطمہؓ رونے لگیں۔ پھر پاس بلایا اور کان میں کچھ کہا۔ بی بی صاحبہ ہنس پڑیں۔ جس نے دیکھا۔ اس کے دل میں کھوج پیدا ہوگئی۔ کس کی ہمت ہوسکتی تھی۔ کہ راز پوچھے۔ حضرت عائشہؓ کو بیٹی پر بڑا ناز تھا۔ انھوں نے بیٹی سے راز پوچھا۔ صاف انکار کر دیا۔ خدا کی قسم! میں نبیؐ کے راز کو ظاہر نہ کروں گی۔ پھر جب حضورؐ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عائشہؓ نے قسم دے کر کہا "فاطمہ! ماں ہونے کے ناتے میرا تم پر جو حق ہے۔ اسی حق کا واسطہ دیتی ہوں۔ سچ بتاؤ، وفات کے وقت حضورؐ نے تم سے کیا کہا تھا؟

سعادت مند بیٹی نے کہا "ہاں اب بتاؤں گی۔ میرے باپ نے پہلی بار مجھ سے فرمایا تھا کہ اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ تو میں رونے لگی۔ پھر میرے باپ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آملو گی تو میں ہنسنے لگی۔

باپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ پر صدموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ چونکہ حضورؐ نے رونے پیٹنے سے منع فرما دیا تھا۔ سینہ کوبی سے روک دیا تھا۔ اس لئے حضرت فاطمہؓ نے تاعمر گریہ وبکا تو نہیں کیا لیکن سیرت کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ پھر کسی نے انھیں مسکراتے بھی نہ دیکھا۔

بخاری شریف میں لکھا ہے کہ جب صحابہؓ رسولؐ کی میت کو دفن کر کے آئے تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا "کیا تم کو رسول اللہؐ پر مٹی ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟

کلیجہ پھاڑ دینے والا فقرہ ہے کہ نہیں؟ لیکن حضرت فاطمہؓ نے اس صدمے کو بھی برداشت

کرلیا۔ ایک ہوک سی کلیجے سے اُٹھتی تھی لیکن کیا مجال کہ کبھی بی بی صاحبہ ارشادات رسولؐ کی حد سے گزر گئی ہوں۔ اللہ اللہ کیسے دل گردے کے انسان تھے۔ جن روائتوں میں یہ آتا ہے کہ وہ باپ کی جدائی میں اس طرح بین کرتیں اور سینہ پیٹتیں کہ محلے والوں کی نیند حرام ہو جاتی۔ مجھے ان روایتوں سے اتفاق نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے کسی حال میں بھی حدودِ شریعت سے باہر قدم نہیں رکھا۔

وفاتِ فاطمہؓ

بی بی فاطمہؓ باپ کی جدائی کے صدمے کو سہہ تو گئیں لیکن ضبط غم نے ان کی زندگی کو گھلا ڈالا۔ حضورؐ کی وفات کو چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ رمضان المبارک ۱۱ھ میں وفات فرما گئیں اور حضورؐ کی یہ پیشین گوئی کہ "میرے بعد خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی" پوری ہو گئی۔ یہ منگل کا دن اور رمضان کی تیسری تاریخ تھی۔ اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر ۲۹ سال کی تھی۔

حضرت بی بی فاطمہؓ غیر معمولی حیادار خاتون تھیں۔ مرنے سے پہلے ایک بزرگ اور تجربہ کار خاتون حضرت اسماء بنت عمیسؓ جو عظیم صحابیات میں سے تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کی بیوی تھیں۔ ان سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے ہجرت حبشہ کے دوران حبش میں دیکھا ہے۔ آپ کہیں تو وہ مشورہ دوں۔ یہ کہہ کر کھجور کی شاخیں منگوائیں۔ ان پر کپڑا تان کر دکھا۔ اس سے پردہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ حضرت فاطمہؓ خوش ہو گئیں۔ فرمایا کہ اسی طرح میرا جنازہ تیار کر کے جائے۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا مسلمان خواتین نے اس طریقے کو پسند کیا۔ آج جہاں بھی میّت پر پردے کا رواج ہے۔ وہ حضرت فاطمہؓ کی دین ہے۔ ان کے بعد حضرت زینبؓ کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔

ترکہ

یاد ہو گا کہ جب بی بی صاحبہ کی شادی ہوئی تھی تو حضورؐ نے ضرورت زندگی کے لئے بان کی ایک

چارپائی، چمڑے کا گدا، ایک چھاگل، مٹی کے دو گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں ساتھ کردی تھیں۔ بان کی چارپائی لوٹ کر برابر ہوگئی۔ چمڑے کا گدا بوسیدہ ہوکر ختم ہوگیا۔ چھاگل بھی نہ رہی۔ مٹی کے گھڑوں کی زندگی ہی کیا۔ مشک بھی پھٹ پھٹا گئی۔ بی بی صاحبہ کا انتقال ہوا تو ترکہ میں بس دو چکیاں ہی وارثوں کو ملیں۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے گھر والوں کو دنیا کے ٹھیکروں میں پھنسانا نہیں چاہتا۔ عملاً کیسا سچ کرکے دکھایا اس پاک ہستی نے جسے ہم خاتون جنت، سیدۃ النساء اور سیدۂ عالم کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

اولاد بی بی فاطمہ رضہ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسن رضہ، حسین رضہ، محسن رضہ، ام کلثوم رضہ زینب رضہ یعنی تین بیٹے اور دو بیٹیاں۔ محسن رضہ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا۔ باقی دو پیارے بیٹوں اور دو بیٹیوں کے حالات تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نواسوں اور نواسیوں کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علی رضہ اور حضرت فاطمہ رضہ بھی بیٹیوں اور بیٹوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ حضرت حسن رضہ اور حسین رضہ وہ عظیم انسان ہوئے جو تاریخ ساز کہلائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ رضہ ہی سے نسل چلی جو حضورؐ کی نسبت سے سید کہلائی۔

فضل وکمال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضہ کا نام نامی ان پاک خواتین کے ساتھ لیا جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک پاکیزہ قرار پائی ہیں۔ ہم پچھلے صفحات میں وہ حدیث نقل کر چکے ہیں جس میں بیان ہوا ہے کہ تمام عورتوں کے لئے دنیا کی عورتوں میں تقلید کے قابل یہ بزرگ ہستیاں ہیں۔

حضرت مریمؑ بنت عمران، ام المومنین حضرت خدیجہؓ بنت خویلدؓ، حضرت فاطمہؓ بنت محمدؐ، اور

یون مصر کی بیوی حضرت آسیہؑ علیہا السلام۔

ہم نے پچھلے صفحات میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے۔ اس کی تشریح بھی کر دی ہے۔ یہاں ایک یث اور ملاحظہ کیجئے۔ اس سے ثابت ہو گا کہ جو شخص حضرت فاطمہ رض کو ناراض کرے گا۔ اس کی قبت خطرے میں پڑ جائے گی۔ حدیث اس طرح ہے۔

" فَاطِمَۃُ بَضعَۃٌ مِنّی فَمَنْ غَضَبَہَا فَقَدْ اَغْضَبَنِی۔ (صحیح بخاری)

فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا، وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔

ں کے ساتھ ہم اگر یوں اور ملائیں کہ جو رسول خدا کو ناراض کرے گا وہ اللہ کو ناراض کرے گا ظاہر ہے کہ اللہ کو ناراض کرنے والے کا ٹھکانہ کہاں ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رض جو علم وفضل میں اکابر صحابہ و صحابیات میں شمار ہوتی تھیں۔ فضائل فاطمہ کے سلسلے میں فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے بہتر انسان ان کے باپ کے سوا دوسرا نہیں دیکھا۔ ز فاطمہ رض سے بڑھ کر کسی کو صاف گو نہیں پایا۔ الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عائشہ رض کے ایک شاگرد نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کسے چاہتے تھے؟ شاگرد کا خیال یہ تھا کہ جواب ملے گا کہ "عائشہ کو" لیکن حضرت عائشہ رض نے رمایا کہ حضورؐ سب سے زیادہ فاطمہ سے محبت کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رض یہ دلیلیں یتی ہیں "صورت وسیرت میں وہ حضورؐ سے ملتی جلتی تھیں۔ جب آپؐ کی خدمت میں آتیں آپؐ پدرے کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی چوم لیتے اور پاس بٹھاتے۔ اسی طرح جب آپؐ ان کے گھر شریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں۔ باپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ آپؐ نے حضرت فاطمہ رض سے ایک بار فرمایا کہ تم کو یہ پسند نہیں کہ تم دنیا کی تمام عورتوں کی سردار بنو! اس کے معنی یہ ہوئے کہ سیدۃ النساء کا لقب حضورؐ

ہی نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ ہی کی بیان کی ہوئی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کے شوہر حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ کے بیٹوں حسن رضؓ حسین رضی اللہ عنہم کو حضورؐ نے اپنے اہلبیت میں شامل فرمایا ہے۔

اہلبیت

اہل بیت عربی لفظ ہے۔ اہل کے معنی ہیں لوگ، جیسے اہل الرائے کے معنی اچھی رائے والے لوگ اہل خانہ کے معنی ہیں گھر کے لوگ یا گھر والے، جب ہم اردو میں "گھر والوں" کا لفظ بولتے تو اس کا مطلب ہوتا ہے آدمی کی بیوی اور اس کے بچے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا وہاں اہل بیت کے معنی گھر والوں ہی کے ہیں۔ سورہ ہود میں جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہیں تو حضرت سارہؑ (حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ) کو بڑا تعجب ہوتا ہے کہ بھلا اس بڑھاپے میں ہمارے یہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس پر فرشتے کہتے ہیں

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ

کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اے اس گھر کے لوگو! تم پر تو اللہ کی خاص رحمت ہے اور اس کی برکتیں ہیں۔

سورۂ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ ایک شیر خوار بچے کی حیثیت سے فرعون کے گھر پہنچتے ہیں اور فرعون کی بیوی کو کسی ایسی انّا (دودھ پلائی) کی تلاش ہوتی ہے جس کا دودھ بچہ پی لے تو حضرت موسیٰؑ کی بہن جا کر کہتی ہیں۔

ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰٓی اَھْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَہٗ لَکُمْ۔

کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ دوں جو تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کا ذمہ لیں۔

قرآن کی یہ آیتیں بتاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں آپؐ کی ازواج مطہرات بھی
ل ہیں اور آپؐ کی اولاد بھی بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اہل بیت کے معنی "گھروالی" ہی کے ہیں
او لاد کو گھروالوں کے معنی میں شامل کرلیا گیا ہے۔ قرآن کے مشہور مفسر حضرت عبداللہ بن عباسؓ
ہ بن زبیرؓ اور عکرمہؓ سورۂ احزاب کے چوتھے رکوع میں آئے ہوئے لفظ اہل بیت کے
ں صرف ازواج مطہرات ہی لیتے ہیں۔ چوتھے رکوع کا متن اور ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا
فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ
تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ
مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ
مَا يُتْلٰى فِي بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ۔ میں تم کو کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت (آخرت میں ملنے والے گھر یعنی جنت) کی نیت رکھتی ہو (طالب ہو) تو جانو کہ تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ ان کے لئے عظیم اجر ہے۔

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کرے گی اُسے دُہرا عذاب دیا جائے گا اللہ کے لئے یہ بہت آسان ہے اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دُہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لئے رزق مُہیا کر رکھا ہے۔

اے نبیؐ! کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی بیماری والا (بدمعاش آدمی) لالچ میں پڑ جائے۔ بلکہ قول معروف کہو (صاف سیدھی اور سنجیدہ بات) اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور جاہلیت کے دورِ سابق کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہلبیت نبی (نبی کے گھر والوں سے) گندگی دور کر دے اور تمہیں پوری طرح پاک کرے۔ یاد رکھو، اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سُنائی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو سنائی جارہی ہیں اس لئے کوئی شک نہیں کہ اہلبیت کے معنی ان آیات میں حضورؐ کی بیویاں ہی ہیں لیکن اہلبیت کے عام معنوں (یعنی گھر والوں میں) آدمی کے اہل و عیال سب شامل ہیں۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کسی آدمی کے اہلبیت میں اس کے اپنے گھر والے ہی شامل ہوتے ہیں ہر شخص کے گھر والے کسی غیر شخص کے اہلبیت میں شامل نہیں۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت (گھر والوں) میں آپؐ کی ازواج مطہرات اور آپؐ کی اولاد حضرت قاسم اور عبداللہ (جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے) حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم ہی شمار ہو سکتے ہیں۔ داماد اور بھانجے، بھتیجے اور نواسے گھر والوں میں شامل نہیں۔ یہ سب رشتے دار کہلاتے ہیں لیکن حضرت فاطمہ رضہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضہ حضرت فاطمہ رضہ کے شوہر علیؓ، حضرت فاطمہ رضہ کے بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو اپنے اہلبیت میں شامل فرمالیا۔

ابن ابی حاتم روائت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ سے ایک بار حضرت علی رضؓ کے بارے میں پوچھا
گیا تو انھوں نے فرمایا:۔

تسألني عَنْ رجل كان من أحب الناس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تحته بنته واحب الناس اليه۔

تم اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اور جس کی بیوی حضورؐ کی وہ بیٹی تھی جو آپؐ کو سب سے بڑھ کر محبوب تھی۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضؓ نے یہ واقعہ سنایا کہ حضورؐ نے حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ اور حسن
اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان پر ایک کپڑا ڈال دیا اور دعا فرمائی:۔

اللّٰهُمَّ هٰؤلاءِ اَهْلُ بيتي فاذْهب عَنْهُمُ الرجس وطهرهم تطهيراً

اے اللہ! یہ میرے اہلبیت ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور انھیں پاک کر دے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں بھی تو آپؐ کے اہلبیت میں سے ہوں
(یعنی مجھے بھی اسی کپڑے میں لے لیجئے اور میرے لئے بھی دعا فرمائیے) حضورؐ نے فرمایا۔ تم الگ رہو
تم تو خیر ہی ہو۔

اس حدیث سے ملتی جلتی حدیثیں حدیث کی کتابوں (مسلم، ترمذی وغیرہ) میں بہت آئی ہیں
محدثین نے یہ حدیثیں حضرت ابوسعید خدری رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ، حضرت انس رضؓ، حضرت ام سلمہ

حضرت واثلہ رضہ اور بعض دوسرے صحابہ رضہ سے نقل کی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ و فاطمہ رضہ اور ان کے دونوں صاحبزادوں کو اپنا اہلبیت قرار دیا اس میں بھی کسی مسلمان آدمی کو شک نہیں کرنا چاہیئے۔

شرفِ علم

حدیث کی کتابوں میں اٹھارہ[۱۸] حدیثیں ایسی ہیں جن کو عظیم صحابہ رضہ نے حضرت فاطمہ رضہ سے روائت کیا ہے۔ ان میں حضرت علی رضہ، حسن رضہ، حسین رضہ، عائشہ رضہ، ام کلثوم رضہ سلمی رضہ، ام رافع رضہ اور انس بن مالک رضہ بھی شامل ہیں۔ میں نے پہلے سوچا تھا یہ اٹھارہ حدثیں اس مجموعے میں شامل کر دوں۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے بھاری پڑیں گی۔ اس لئے ارادہ بدل دیا۔

متفرقات

حضرت فاطمہؓ کی پاک زندگی اور بے داغ کردار، آپ کی حیا، خودداری، صبر وضبط، دنیا سے بے رغبتی
فضل وکمال سب آپ کے سامنے آگیا۔ یہ سب میں نے روایتوں کے ذخیرے سے چھانٹ کر پیش کیا۔ آپ
نے خاتونِ جنت کی یہ بے داغ تصویر ملاحظہ فرمائی۔ لیکن کچھ روایتیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ اگر ان کو ترتیب دیا
جائے تو اس کے برعکس تصویر بنتی ہے۔ یہ دوسری تصویر کچھ اس طرح ہو گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے سازش کر کے خلافت پر قبضہ کر لیا جبکہ
خلافت کے حقدار علی تھے اور باغِ فدک جو حضرت فاطمہؓ کو ملنا چاہیے تھا وہ بھی ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو
نہیں دیا۔ ان دووجوہ سے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ سے ناراض رہے۔ انھوں نے
حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور اگر تسلیم بھی کیا تو دل سے نہیں بلکہ زبان سے یعنی تقیہ کر لیا۔

اس سلسلے میں جب میں نے گہرا مطالعہ کیا تو مجھے بڑا افسوس ہوا کہ بعض صاحبان نے حضرت علی رضی
اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی کو سیاسی رُخ دے کر کچھ سے کچھ بنا دیا۔ میں نے سوچا کہ ان باتوں کو اپنے الفاظ
میں لکھوں لیکن پھر میرے سامنے ایک محقق کی کچھ ایسی تحریریں آئیں جن کو ہو بہو پیش کر دینا مناسب سمجھتا
ہوں۔ میں ان تحریروں کو مشہور مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی کے رسالہ ترجمان القرآن کے حوالے سے نقل
کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کی باہمی رنجیدگی

سوال:- ایک شیعہ عالم نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ سے تادمِ مرگ ناراض رہیں اور انھیں بددعا دیتی رہیں۔ انھوں نے اس امر کے ثبوت میں الامامۃ والسیاستہ کے حوالے دئیے ہیں جو ابن قتیبہ کی تصنیف ہے انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابن قتیبہ کو سُنّی علماء مستند مانتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مولانا شبلی کی الفاروق میں سے ایک عبارت دکھائی ہے جس میں اس مصنف کو نامور اور قابلِ اعتماد قرار دیا گیا ہے۔ نیز شیعہ عالم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے بھی اپنے رسالہ "اسلامی دستور کی تدوین" میں الامامۃ والسیاستہ میں سے ایک خط نقل کیا ہے جو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا تھا۔ براہِ کرم حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی کی حقیقت واضح کریں۔ نیز اس امر سے بھی مطلع کریں کہ ابنِ قتیبہ کی کتاب کا علمی پایہ کیا ہے اور وہ کس حد تک قابلِ اعتبار ہے؟ -

جواب:- ابن قتیبہ تو بلاشبہ ایک محقق شخص تھے۔ لیکن ان کی جس تصنیف کا حوالہ شیعہ عالم نے ا ہے اس میں بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو عقلاً قابلِ قبول نہیں ہیں خصوصاً حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی برت کا جو نقشہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا کھینچا ہے، وہ ایسا ہے کہ اگر اسے صحیح مان اجائے تو ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کے بارے میں عقیدت تو درکنار اچھی رائے کا برقرار رہنا بھی محال ،جاتا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۲ کا مضمون آپ خود ملاحظہ فرما لیجیے اور خود ہی رائے قائم کیجیے کہ آیا ایسی روایات بل قبول ہو سکتی ہیں۔ قبول کرنا تو ایک طرف، میں تو اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ اسے نقل کر کے آپ کے امنے پیش کروں۔ اسی طرح کی چیزیں دیکھ کر بعض اہلِ علم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ کتاب یا تو ابنِ قتیبہ

کی ہے ہی نہیں یا کم از کم اس میں بعض چیزیں ضرور الحاقی ہیں۔ اس میں جس خط کا حوالہ دیا ہے وہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بھی نقل کیا ہے اس لیے میرا انحصار صرف الامامۃ والسیاسۃ پر نہیں ہے۔

مسئلہ خلافت سے قطع نظر جہاں تک حضرت فاطمہؓ کے دعوائے میراث کا تعلق ہے اس کے لیے ابن قتیبہ کی الامامۃ سے رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے اس کی تفصیلات تو صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان کتابوں کی مستند روایات سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ حضرت فاطمہؓ میراث کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ناراض تو ضرور ہوئی تھیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے جس بنا پر حضرت فاطمہؓ کے دعوے کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ انبیا علیہم السلام کی میراث ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی بلکہ ان کا ترکہ صدقہ ہے یہ بات ابن قتیبہ کے ہاں بھی مذکور ہے اور کسی جگہ بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا نقل کردہ فرمان نبوی صحیح نہ تھا، حضرت فاطمہؓ کو اس کی صحت سے انکار تھا۔ اب آپ خود غور کر لیجیے کہ حضرت ابوبکرؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کرنا واجب تھا یا اس کو نظر انداز کر کے حضرت فاطمہؓ کی رضا حاصل کرنا ضروری تھا ہم تو اس بات کا بھی تصور نہیں کرسکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سننے کے بعد اسے قبول کرنے کے بجائے حضرت فاطمہؓ اس طرح غضب ناک ہوئی ہوں گی جس طرح غضب ناک ہونے کا نقشہ ابن قتیبہ نے کھینچا ہے اگر وہ رنجیدہ ہوئی تھیں اور اس کا انھوں نے کسی شکل میں اظہار بھی کیا تھا تو اس کی زیادہ سے زیادہ بہتر تاویل یہی کی جاسکتی ہے کہ وہ حضورؐ کے ارشاد کو کسی اور معنی میں لیتی ہوں گی، اور حضرت ابوبکرؓ نے جو مفہوم اس کا سمجھا تھا اس سے انھیں اتفاق نہ ہوگا۔ یہ تاویل اس واقعہ کی نہ کی جائے تو پھر اس الزام سے حضرت فاطمۃ الزہرا کو نہیں بچایا جاسکتا کہ وہ مال کی محبت اتنی زیادہ رکھتی تھیں کہ خود اپنے والد ماجد اور اللہ کے رسول کے قول کی انھوں نے پروا نہ کی۔ کیا سیدۃ النساء کے متعلق کوئی مسلمان ایسی بری رائے رکھنے کے لیے تیار ہے ؟ خلفائے راشدین اور اہل بیت کے باہمی تعلقات کی ایسی تصویر ہمارے لیے آخر کس طرح

ابلِ قبول ہوسکتی ہے جو فریقین میں سے کسی کی بھی شان اور عظمت میں اضافے کا موجب نہیں ہوسکتی۔

ہمارے ہاں اس امر میں بھی روایات مختلف ہیں کہ آیا حضرت فاطمہؓ اس واقعہ کے بعد آخر وقت تک ناراض رہیں یا بعد میں راضی ہوگئیں بعض روایات میں یہ ہے کہ ان کی رنجش آخری وقت تک رہی اور بعض میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بعد میں ان سے ملنے کے لیے خود تشریف لے گیے اور انھیں راضی کر لیا۔ یہی بات میرے نزدیک قرینِ صواب ہے۔

(ترجمان القرآن۔ شعبان۔ رمضان ۱۳۷۶ھ۔ جون ۱۹۵۷ء

رسول اللہؐ کی میراث کا مسئلہ

سوال:۔ باغِ فدک کے مسئلے پر آپ کی تحقیق کیا ہے؟ اس کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے جیسے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا گیا۔ کیا آنحضورؐ کی میراث میں سے حضرت فاطمہؓ کا حق نہ دینا خلیفہ اوّل و دوم کے لیے درست تھا؟

جواب:۔ باغِ فدک کے مسئلے پر بحث کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی وفات کے وقت کوئی ذاتی جائیداد تھی بھی کہ اس میں میراث جاری ہوتی؟ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد حضورؐ کا تمام وقت دعوتِ حق کے کام پر صرف ہونے لگا تھا اور کاروبارِ تجارت بند ہوچکا تھا۔ مکہ معظمہ میں جب تک قیام رہا اس اثاثے پر گزر بسر ہوتی رہی جو آپؐ کے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہلے کا بچا بچایا موجود تھا۔ ہجرت فرمائی تو گویا دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ طیبہ پہنچ کر آپ بالکل بے سروسامان تھے۔ ابتدائی زمانہ انتہائی عسرت اور تنگدستی کے ساتھ گزرا۔ پھر جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اموالِ غنیمت میں سے

پانچواں حصہ نکالنے کا حکم دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق عطا فرمایا کہ جس قدر مناسب سمجھیں اور ضرورت محسوس فرمائیں اپنی ذات پر اور اپنے قرابت داروں کی حاجات پر صرف کرنے کے لیے اس حصے میں سے لے لیا کریں۔ باقی اللہ کے کام میں اور یتامیٰ و مساکین اور مسافروں کی خبر گیری میں صرف فرمائیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَ
لِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال آیت ۴۱)

یہ پہلا ذریعہ معاش تھا جو آپ کو عطا کیا گیا۔

اس کے بعد ہجرت کے چوتھے سال اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے یہودی قبیلے بنی النضیر پر آپ کو فتح عطا فرمائی اور وہ اپنی جائیدادیں چھوڑ کر شہر سے چلے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:-

وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا
رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَ
لِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ
بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ (الحشر آیت ۶-۷)

"اور جو کچھ دلوایا اللہ نے ان سے اپنے رسول کو، نہیں دوڑائے اس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ مگر اللہ مسلّط کر دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جو کچھ دلوادے اللہ (اس طریقے پر) اپنے رسول کو بستیوں کے لوگوں سے تو وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے تاکہ یہ مال تمہارے دولتمندوں ہی کے درمیان نہ گردش کرتا رہے۔"

اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ان تمام اموال، جائیدادوں اور علاقوں کو جو براہ راست جنگی

کارروائی کے ذریعے سے فتح نہ ہوئے ہوں بلکہ اسلامی حکومت کے رعب اور دبدبے سے مسخّر ہو جائیں غنیمت سے الگ کر کے حکومت کی ملک قرار دے دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق عطا فرمایا کہ وہ اپنی اور اپنے قرابت داروں کی ضروریات کے لیے اس سرکاری مال میں سے جس قدر مناسب سمجھیں لے لیں۔

ان احکام کے مطابق حضورؐ نے مدینہ طیبہ میں بنی النضیر کے چھوڑے ہوئے باغوں میں سے چند نخلستان، خیبر میں سے کچھ اراضی، اور فدک میں سے کچھ اراضی اپنے لیے مخصوص کر لی تھیں۔ اس جائیداد کی آمدنی سے حضورؐ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرتے تھے، اپنے قرابت داروں کی مدد فرماتے تھے، اور جو کچھ بچتا تھا۔ اسے اللہ کی راہ میں صرف فرما دیتے تھے۔

غور کیا جائے تو صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان دونوں ذرائع (غنیمت اور فئے) سے جو کچھ حضورؐ کو عطا کیا گیا اس کی نوعیت یہ نہیں تھی کہ آپؐ نے اپنے ذاتی کاروبار سے کوئی ذاتی جائیداد اکی ہو اور وہ آپ کے بعد بھی آپؐ کی ملک رہے اور آپؐ کے وارثوں میں تقسیم ہو، بلکہ اس کی نوعیت یہ تھی کہ آپؐ اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے اپنا سارا وقت سرکاری کام پر صرف فرماتے تھے اور اپنا کوئی ذاتی ذریعۂ معاش نہ رکھتے تھے اس لیے آپؐ کو یہ حق عطا فرمایا گیا کہ حکومت کی املاک میں سے اتنی جائیداد اپنے تصرّف میں رکھیں جس سے آپؐ کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے نبوت کا یہ کارِ عظیم اپنے لیے جائیدادیں اور جاگیریں پیدا کرنے کے لیے تو نہیں کیا تھا۔ یہ تو ایک خدمت تھی جو خالص اللہ کے لیے آپؐ انجام دے رہے تھے اور اس کا اجر اللہ ہی کے ذمہ تھا۔ ریاست کے مال میں آپؐ کا حصہ بس اتنا تھا کہ آپؐ اپنے نفس کے اور اپنے اہل و عیال اور حاجتمند قرابت داروں کے حقوق ادا کر سکیں۔ یہ حصہ آپؐ کی حیاتِ طیّبہ تک ہی باقی رہ سکتا تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد اس کو ذاتی املاک کی طرح وارثوں میں تقسیم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس بات کو حضورؐ نے خود اپنی زندگی میں صاف کر دیا تھا۔

لا تقتسم ورثتی دینارًا ولا درهمًا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی

ومؤنة عاملی فهو صدقة (بخاری، مسلم، مؤطا، مسند احمد)

"میرے وارث کوئی دینار و درہم آپس میں تقسیم نہ کریں، میں نے جو کچھ چھوڑا ہے، میری بیویوں کا نفقہ اور میرے عامل کا حق الخدمت ادا کرنے کے بعد وہ سب صدقہ ہے۔"

لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ انما یاکل آل محمد من ھٰذا المال لیس لھم ان یزید وا علی الماکل (بخاری، مسلم، مسند احمد)

"ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ محمدؐ کے گھر والے تو اس مال میں سے بس کھا لیتے ہیں۔ کھانے بھر سے زیادہ لینے کا حق انھیں نہیں ہے۔"

اِنَّ اللہَ عزَّ وجلَّ اذا اطعم نبیًا طعمۃ ثم قبضہ جعلہ للذی یقوم بعدہ۔ (مسند احمد، مرویات ابوبکر صدیق رضؓ)۔

"اللہ عزّ وجل کسی نبی کو بسر اوقات کے لیے جو کچھ دیتا ہے وہ اس کی وفات کے بعد اس شخص کے حوالے کر دیتا ہے جو اس کا جانشین ہو۔"

اس مال کے متعلق حضورؐ کی یہ ہدایات کچھ خفیہ نہ تھیں بلکہ تمام جلیل القدر صحابہ ان کو جانتے تھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی تنہا ان کے راوی نہیں ہیں۔ حضرت علی حضرت عباس، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ، اور حضرت زبیر، حضرت عثمان، حضرت ابوہریرہ اور تمام ازواجِ مطہرات کی یہ شہادت نہایت مستند روایات سے ہم تک پہنچی ہے کہ حضورؐ نے اپنے ترکے کی یہی نوعیت بیان فرمائی تھی۔ اس فرمانِ مبارک کے ہوتے ہوئے کون شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ حضورؐ کے خلفاء آپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے معاملے میں کوئی دوسرا فیصلہ کرنے کے مجاز ہو سکتے تھے۔

اب دیکھیے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد مطالبۂ میراث کس طرح اُٹھا اور آپ کے خلفاء نے اس پر اپنے اپنے

ئوں میں کیا کارروائی کی۔ شرعی قاعدے کے مطابق میراث کا مطالبہ کرنے کے حق وارثین فریق ہو سکتے تھے
ے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بیٹی کی حیثیت سے۔ دوسرے حضرت عباس رضؓ چچا کی حیثیت سے، تیسرے
، ازواجِ مطہرات بیویوں کی حیثیت سے ان میں سے پہلے دو فریقوں، یعنی سیدہ فاطمہ اور حضرت عباس
ی اللہ عنہما نے حضرت ابو بکر رضؓ کے خلیفہ مقرر ہونے کے فوراً بعد خیبر، فدک اور مدینہ طیبہ کی اس تمام جائیداد
ے متعلق، جو حضورؐ کے تصرف میں تھی، اپنا دعویٰ پیش کیا اور بعض روایات کے مطابق حضرت فاطمہ رضؓ نے
ستدلال کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ جب تمہاری وفات کے بعد تمہارا ترکہ تمہارے اہل وعیال ہی میں تقسیم
ِناہے تو آخر میرے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد ان کے ترکہ میں سے مجھے کیوں میراث نہ ملے؟
ں کے جواب میں حضرت ابو بکر رضؓ نے جو کچھ فرمایا وہ یہ تھا :۔

ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ
وقال لست تارکاً شیئاً کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یعمل بہ الا عملت بہ فانی اخشی ان ترکت شیئاً من امرہ ازیغ

(بخاری، کتاب فرض الخمس، مسند احمد، مرویات ابو بکر صدیق رضؓ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی جو
کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ پھر حضرت ابو بکر رضؓ نے کہا کہ میں کوئی ایسا کام نہ رہنے
دوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور میں وہ نہ کروں، کیوں کہ
مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپؐ کے اوامر میں سے کسی کو بھی چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔"

ولکن اعول من کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعولہ وانفق
علی من کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علیہ۔

(ترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسند احمد، مرویات ابو بکر صدیق رضؓ)

"مگر میں ان سب لوگوں کی عیال داری کروں گا جن کی عیال داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، اور ان سب لوگوں پر خرچ کروں گا جن پر حضورؐ خرچ فرمایا کرتے تھے۔"

واللہ لقرابة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الیٰ ان اصل من قرابتی (بخاری کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر)

"خدا کی قسم! میرے لیے اپنے رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کی بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کرنا زیادہ محبوب ہے۔"

جناب سیدہ فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کے متعلق جت[illegible] مستند روایات ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ بات کہیں اشارتاً و کنایتہً بھی مذکور نہیں ہے کہ جناب سیدہؓ یا حضرت عباسؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی یہ بات سن کر جواب میں فرمایا ہو کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک غلط بات منسوب کر رہے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب حضورؐ کی طرف اس فرمان کی نسبت صحیح تھی تو پھر خلیف[illegible] رسول کے لیے واجب العمل قانون اس کے سوا اور کوئی نہ ہو سکتا تھا جو رسولِ پاکؐ سے ثابت تھا۔ آخر اس فرمان کی زد صرف جناب سیدہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ہی کے مفاد پر تو نہ پڑتی تھی۔ خود خلیفہ کی اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مفاد بھی اسی کی لپیٹ میں آجاتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی اس کی بنا پر اپنے شوہر کی میراث سے محرو[م] ہوتی تھیں۔ خلیفۂ برحق نے آخر انہی کو اس قانون سے کب مستثنیٰ کیا۔

اب رہ گیا تیسرا فریق، یعنی ازواجِ مطہرات کا گروہ، تو اس نے بھی ارادہ کیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو اپنا نمائن[دہ] بنا کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجے اور حضورؐ کے ترکہ میں اپنے آٹھویں حصے کا مطالبہ کرے۔ مگر حضرت عائشہ رضؓ [illegible] اس کی مخالفت کی اور تمام ازواجِ مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا۔

الا تتقین اللہ، الم تعلمن ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول

لانورث ماترکنا صدقۃ (یرید بذلک نفسہ) انما یاکل اٰل محمد فی ھذا المال۔

"کیا آپ اللہ سے نہیں ڈرتیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ محمدؐ کے اہل وعیال تو بس اس مال میں سے کھا سکتے ہیں۔"

حضرت عائشہؓ کی یہ بات سُن کر سب ازواجِ مطہرات اپنے دعوے سے دست بردار ہوگئیں۔

ایک بات اس سلسلے میں یہ کہی جاتی ہے کہ فدک کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں یہ فیصلہ یا تھا کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا جائے گا۔ جناب سیدہ نے حضرت ابوبکرؓ سے خاص طور پر اسی کا البہ کیا تھا۔ اور شہادت میں حضرت علی اور اُمِّ ایمن کو پیش کیا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کی شہادت ں نہ کی اور فدک کی جائیداد ان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔

مگر یہ قصہ حدیث کی مستند روایات میں سے کسی میں بھی مذکور نہیں ہے (البتہ بَلاذری اور ابن سعد نے اسے کیا ہے۔ اور ان کے بیان میں بھی کافی اضطراب ہے۔ ابن سعد کی روایت یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی بلکہ ام ایمن سے سنی تھی اور انہی کو شہادت میں پیش کر دیا۔ ف اس کے بلاذری کی روایت یہ ہے کہ جناب سیدہ نے خود یہ دعوی کیا تھا کہ میرے والدؐ نے فدک مجھے دیا ۔ پھر ایک روایت کی رو سے انھوں نے حضرت علی اور اُمّ ایمن کو شہادت میں پیش کیا اور دوسری روایت و سے ام ایمن اور رباح (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کو۔

یہ تو ہے اس قصے کی حیثیت باعتبار روایت۔ اب قانونی حیثیت سے دیکھیے تو حضورؐ کا یہ فعل یا تو ہبہ

ہو سکتا تھا یا وصیت۔ اگر کہا جائے کہ ہبہ تھا تو اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں
فدک کا قبضہ حضرت فاطمہؓ کو دے دیا ہوتا۔ ورنہ محض زبان سے کسی چیز کو کسی کے لیے نامزد کر دینا، اور یہ بیا
کرنا کہ وہ چیز مالک کے مرنے کے بعد معطی لہ کو ملے گی۔ ہبہ نہیں بلکہ وصیت ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ یہ وصیت
تھی، تو قرآن مجید میں میراث کا قانون نازل ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود یہ اعلان فرما چکے تھے
لا وصیۃ لوارث اب ترکے کی تقسیم کے معاملہ میں کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔" پھر یہ کی
باور کیا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے ہی اعلان کردہ قانون کے خلاف دوسرے وارثوں کو چھوڑ کر ایک خا
وارث کے حق میں کوئی وصیت فرمائی ہوگی۔

علاوہ بریں ہبہ یا وصیت کے سوال کو نظر انداز کر کے صرف اس شہادت ہی کو دیکھا جائے جو اس دعو۔
کے ثبوت میں پیش کی گئی تھی تو وہ صریح قرآنی قانونِ شہادت کے لحاظ سے ناکافی تھی۔ قرآن کی رو سے یا تو دو
کی شہادت معتبر ہے۔ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت۔ جناب سیّدہ (اگر یہ قصہ درست مانا جائے) صرف ا
عورت یا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی لائی تھیں اس صورت میں قانون کے خلاف فیصلہ کیسے کیا جاسکت
کیا شخصیتوں کو دیکھ کر شہادت کا شرعی نصاب بدل دیا جاتا ؟۔

اس کے بعد یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں دوبارہ اُٹھا۔ ان کی خلافت پر دو سال گزر چکے تھے کہ حضر
عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکے کا مسئلہ پیش کیا، اور انھ
نے خیبر و فدک کو مستثنیٰ کر کے مدینہ والی جائیداد دونوں صاحبوں کی تولیت میں اس شرط پر دے دی کہ وہ ا
کی آمدنی انہی مصارف میں صرف کریں گے جن میں حضورؐ اپنی حیاتِ طیبہ میں صرف فرمایا کرتے تھے۔

لیکن اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے درمیان اس جائیداد کے انتظام پر نزاع واقع ہو گئی ا
وہ اس قضیے کو لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ اس کا نہایت مفصل قصہ مالک بن اوس بن حدثان کے حوالے سے تم
معتبر کتب حدیث میں روایت ہوا ہے۔

حضرت مالکؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے حاجب نے آکر عرض کیا کہ عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) حاضری کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی اور وہ تشریف لے آئے اس کے تھوڑی دیر بعد وہ پھر آیا۔ اور اطلاع دی کہ عباس بن عبدالمطلب اور علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما) تشریف لائے ہیں اور وہ بھی اجازت کے طالب ہیں۔ حضرت عمرؓ کے اجازت دینے پر دونوں صاحب اندر تشریف لے آئے اور سلام کے بعد بیٹھتے ہی حضرت عباسؓ نے کہا کہ اے امیرالمومنین، میرے اور اس کے (اپنے بھتیجے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) مقدمے کا فیصلہ فرما دیجیے۔ اس کے ساتھ چچا نے بھتیجے کے حق میں کچھ سخت سُست الفاظ بھی استعمال کیے۔ دوسرے حاضرین نے کہا واقعی امیرالمومنین ان کا قضیہ بہت طول کھینچ گیا ہے۔ آپ انھیں اس جھگڑے سے نجات دلائیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ٹھہریئے۔ میں آپ صاحبوں کو اس خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے" چاروں صاحبوں نے کہا۔ ہاں حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو اسی طرح اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا، کیا آپ دونوں صاحب جانتے ہیں کہ حضورؐ نے ایسا اور ایسا فرمایا تھا۔ دونوں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ واقعی حضورؐ نے یہ فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا، اچھا اب میں آپ لوگوں کو اس معاملے کی حقیقت بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فئے کے معاملے میں اپنے رسولؐ کو وہ مخصوص اختیارات عطا فرمائے تھے جو کسی دوسرے کو عطا نہیں فرمائے۔ پھر سورۂ حشر کی آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ آخر تک تلاوت کرکے حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس آیت کی رو سے یہ اموالِ فئے خالصۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے۔ مگر خدا کی قسم! حضورؐ نے آپ لوگوں کو چھوڑ کر ان سب کو اپنے لیے نہیں سمیٹ لیا۔ اور نہ ان کے معاملے میں کوئی خود غرضی برتی۔ بلکہ انھیں آپ ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ یہاں تک کہ تین جائیدادیں (مدینہ، فدک اور خیبر والی) بچ گئیں۔

ان جائیدادوں میں سے حضورؐ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا سال بھر کا نفقہ لے لیتے تھے۔ اور باقی ساری آمدنی انہی کاموں میں صرف فرماتے تھے جن میں اللہ کا مال صرف کیا جاتا ہے۔ یہی حضورؐ کا عمل ان اموال کے معاملے میں زندگی بھر رہا ہے۔ میں آپ لوگوں کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ یہ بات آپ سب لوگوں کے علم میں ہے؟ چاروں صاحبوں نے جواب دیا۔ جی ہاں پھر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میں آپ دونوں کو بھی اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ آپ یہ بات جانتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، جی ہاں ہم جانتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا۔ پھر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھالیا اور ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر کہ اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں ان اموال کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان کے معاملے میں اسی طریقے پر عمل کیا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں ابوبکرؓ بالکل سچے تھے اور ٹھیک ٹھیک حقؓ کے تابع تھے۔ پھر اللہ نے ابوبکرؓ کو بھی اُٹھالیا اور میں ان کا ولی ہوا۔ میں نے اپنی امارت کے پہلے دو سال تک ان اموال کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسی طرح عمل کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کرتے تھے اللہ جانتا ہے کہ میں بھی اس میں سچا اور تابعِ حق تھا پھر حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہو کر فرمایا، آپ دونوں صاحب میرے پاس آئے اور آپ نے مجھ سے اس جائیداد کے معاملے میں گفتگو کی۔ اس وقت آپ دونوں کے درمیان اتفاق تھا۔ اے عباس! آپ نے مجھ سے اپنے بھتیجے کی میراث طلب کی اور اے علی! آپ نے مجھ سے اپنی بیوی کے واسطے سے اُن کے والد کی میراث مانگی۔ میں نے آپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ لہٰذا اگر آپ چاہیں تو میں اس شرط پر یہ جائداد آپ کے حوالے کر سکتا ہوں کہ آپ اس میں اسی طرح عمل کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد ابوبکرؓ عمل کرتے رہے اور خلیفہ ہونے کے بعد سے میں عمل کر رہا ہوں لیکن اگر یہ شرط آپ کو منظور نہ ہو تو مجھ سے اس معاملے میں بات نہ کیجیے۔ پھر حضرت عمرؓ نے چاروں صاحبوں کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھا۔ کیوں حضرات! میں نے اسی شرط پر یہ جائیداد ان دونوں اصحاب کے حوالے کی تھی؟ انھوں نے کہا ہاں۔ پھر حضرت علی اور

حضرت عباسؓ کو بھی اسی طرح خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ اس جائیداد کو حوالے کرتے وقت میری یہی شرط تھی: انھوں نے بھی اسے تسلیم کیا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا۔ اب آپ چاہتے ہیں کہ میں اس سے مختلف کوئی فیصلہ کروں۔ اس خدا کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ میں کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر آپ اس شرط پر عمل نہیں کر سکتے تو یہ جائیداد میرے حوالے کر دیجیے میں اس کا انتظام کر لوں گا۔

یہ ہے اس مسئلے کی پوری تاریخ جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیش آئی۔ اسے دیکھ کر ہر شخص خود رائے قائم کر سکتا ہے کہ اس معاملے میں جو کچھ کیا گیا وہ ظلم تھا یا عدل اور حق؟ اس کے ساتھ دو باتیں اور بھی ہیں جو صحیح رائے قائم کرنے کے لیے نگاہ میں رہنی چاہئیں۔

اول یہ کہ اصل بحث صرف یہ تھی کہ اس جائیداد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میراث میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں، یہ بحث نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال اور قرابت داروں کو بیت المال سے نفقہ پانے کا حق ہے یا نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خود اپنی ذات اور اپنے خاندان والوں سے بدرجہا زیادہ ان حضرات کی خدمت کی۔ ان کے حق کو ہر دوسرے حق پر مقدم رکھا، اور جو وظائف ان کے لیے جاری کیے وہ خیبر اور فدک اور مدینہ طیبہ کی جائیدادوں کے محاصل سے کہیں بڑھ کر تھے۔

دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ بلکہ اس مسئلے میں فیصلہ کن ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی اس جائیداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث قرار دے کر وارثوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اسے بدستور وقف فی سبیل اللہ ہی رہنے دیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی میراث ہی تھی تو حضرت علیؓ کے لیے اپنے زمانۂ اقتدار میں وارثوں کو اس سے محروم رکھنا کیسے جائز ہو گیا؟ اسے ظلم ہی کہنے کو کسی کا جی چاہتا ہو تو پھر اسے اتنا انصاف تو کرنا ہی چاہیے کہ جس جس نے اس کا ارتکاب کیا ہے ان سب کو ظالم کہے۔ ایک ہی فعل پر کسی کے حق میں ایک فیصلہ اور کسی دوسرے کے حق میں دوسرا فیصلہ کرنا حق پرست آدمی کا کام نہیں ہے۔

واقعۂ قرطاس کی تحقیق

سوال:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مشہور واقعۂ قرطاس کی اصل نوعیت کیا ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس معاملہ میں کیا موقف ہے؟

جواب:۔ اس واقعہ کے متعلق امام بخاری نے کتاب العلم، کتاب الجزیہ اور کتاب المغازی میں امام مسلم نے کتاب الوصیۃ میں، اور امام احمد نے مسند ابن عباس میں متعدد روایات مختلف سندوں سے نقل کی ہیں جن کا سلسلہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر تمام ہوتا ہے کسی دوسرے صحابی سے اس باب میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہوئی ہے۔ خلاصہ ان سب روایات کا یہ ہے کہ وفات سے چار روز پہلے جمعرات کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدید تکلیف طاری تھی اور آخری وقت قریب معلوم ہو رہا تھا۔ اس حالت میں آپؐ نے حاضرین سے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ۔ میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اُس وقت گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سخت تکلیف میں ہیں ہمارے پاس قرآن موجود ہے اللہ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔ اس پر اختلاف ہوگیا۔ بعض لوگوں نے کہا نہیں۔ سامانِ کتابت لے آنا چاہیے تاکہ حضورؐ وہ چیز لکھوا دیں جس کے بعد ہم گمراہ نہ ہو سکیں اور بعض اصحاب نے حضرت عمرؓ کے خیال کی تائید کی۔ کچھ اور لوگوں نے کہا کہ حضورؐ سے پھر دریافت کر لو۔ آپ واقعی کچھ لکھوانا چاہتے ہیں۔ یا یہ بات آپ نے غلبۂ مرض کی وجہ سے گھبراہٹ میں فرمائی ہے[1]۔ اس طرح بعض لوگ آپس میں بحث کرنے لگے

---

[1] اصل الفاظ ہیں مَا شَأْنُهُ أَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوهُ۔ بعض لوگوں نے غلطی سے أَهْجُرَ سمجھ لیا ہے حالانکہ تمام معتبر روایات میں اھجر آیا ہے، یعنی اسمیں ہمزہ استفہام کا ہے اور ھجر، ھُجْر کے معنی ہیں وہ باتیں جو مریض غلبۂ مرض کی حالت میں گھبراہٹ کی وجہ سے یا بے حواسی کے عالم میں کرتا ہے۔
نیز یہ قول کسی روایت میں بھی حضرت عمرؓ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے بلکہ قالوا کے ساتھ منقول ہوا ہے یعنی جو لوگ وہاں موجود تھے ان میں سے بعض نے یہ کہا۔

ض حضورؐ سے آپؐ کا مدعا پوچھنے میں لگ گئے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔

ذرونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ۔ قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ، میرے پاس جھگڑا کرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ ب سے نکال دینا۔ دوسری یہ کہ جو وفود باہر سے آئیں ان کی اسی طرح خاطر داری کرنا جس طرح میں کرتا تھا یسری بات یا تو حضور ہی کی زبان سے ادا نہ ہوئی یا راوی سے فراموش ہو گئی۔ روایات اس باب میں بھی واضح ں ہیں کہ ابن عباسؓ نے اس کو فراموش کیا یا بیچ کے کسی راوی نے۔

یہ ہے کل کائنات اس قصّے کی اگر کوئی سیدھے طریقے سے بات سمجھنا چاہے تو اصل صورتِ معاملہ کے ھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔ اپنے محبوب ترین پیشوا اور رہبر کو دنیا سے رخصت ہوتے دیکھ کر سب وں پر اضطراب کا عالم طاری تھا۔ مرض شدت پکڑ چکا تھا۔ سب کی آنکھوں کے سامنے حضورؐ سخت کرب اور ت میں مبتلا تھے۔ ابن عباسؓ کا اپنا حال یہ تھا کہ اس واقعہ کے سالہا سال بعد ایک روز شاگردوں کے سامنے ں کی زبان پر جمعرات کا لفظ آیا اور یکایک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ شاگردوں نے پوچھا جمعرات کا کیا سہ ہے جسے یاد کر کے آپ یوں بدحال ہوئے جا رہے ہیں فرمایا۔ وہ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت لیف کا تھا (اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عین اس قت جب کہ حضورؐ پر یہ حالت طاری تھی۔ آپ کے جاں نثار خادموں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اس حالت میں قلم و وات منگوانے کے لیے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اور غرض یہ بیان فرمائی کہ ایسی کوئی چیز لکھوا دیں جس سے

اُمت بعد میں گمراہ نہ ہونے پائے۔ مرض کی شدت میں ممکن ہے کہ بات صاف بھی زبانِ مبارک سے ادا نہ ہوئی
اسی وجہ سے بعض حاضرین کو شبہ ہوا کہ گھبراہٹ میں آپؐ نے کچھ فرمایا ہے جسے پھر پوچھ کر تحقیق کرنا چاہیے
عمرؓ نے اس موقع پر جو کچھ کہا اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ "حضورؐ اس وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہیں، ا
حالت میں آپ اُمّت کے لیے فکرمند ہو رہے ہیں اور کچھ لکھوانے کی زحمت اُٹھانا چاہتے ہیں تاکہ لوگ آ
کے بعد گمراہ نہ ہونے پائیں۔ لیکن اس وقت آپ کو یہ زحمت دینی مناسب نہیں ہے۔ اُمت کی ہدایت کے
قرآن موجود ہے۔ انشاء اللہ وہی گمراہی سے بچانے کے لیے کافی ہوگا۔" ممکن ہے اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کو
اندیشہ ہوا ہو کہ اگر تحریر لکھواتے لکھواتے حضورؐ کا وقت آن پورا ہوا اور بات ادھوری رہ گئی تو کہیں وہ اُ
فتنے ہی کی موجب نہ بن جائے۔ بہرحال یہ بالکل فطری امر تھا کہ اُس موقع پر کوئی علم اور ہدایت کی حرص میں
بات کا طالب ہوا کہ حضورؐ سے ضرور کچھ لکھوا لیا جائے، اور کسی نے محبت کی وجہ سے بھی اور دور اندیشی کی
بھی آپ کو یہ زحمت دینا مناسب نہ سمجھا۔ اور کوئی اس شک میں پڑ گیا کہ حضورؐ واقعی کچھ لکھوانا ہی چاہتے ہیں
شدتِ مرض کی وجہ سے گھبراہٹ میں کچھ فرما رہے ہیں ان تینوں قسم کے لوگوں میں سے کسی کی بات بھی ایسے مو
پر نہ تو خلافِ توقع ہی تھی اور نہ اسے نامناسب ہی کہا جا سکتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حضورؐ جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے آیا اس کی نوعیت عام نصائح کی سی تھی یا کسی ایسے اہم ح
کی جسے ثبت کرا دینا اُمت کی ہدایت کے لیے ضروری تھا۔ تو اس کا فیصلہ بعد کے واقعات نے خود ہی کر دیا۔ حضو
واقعہ کے بعد بھی چار دن تک زندہ رہے۔ ان دنوں میں مرض کی شدت کا حال بھی یکساں نہیں رہا۔ اور اس زما
میں وہی سب لوگ آپ کے پاس بیٹھے بھی نہیں رہے جو جمعرات کے دن اس وقتِ خاص پر موجود تھے، بلکہ ا
مدت میں آپ کو مسجدِ نبوی میں تشریف لے جانے اور جماعتِ صحابہ سے خطاب کرنے کا موقع بھی ملا تھا اگر وا
کوئی اہم حکم ایسا ہوتا جسے ضبطِ تحریر میں لانا ضروری تھا تو حضورؐ اِن دنوں میں کسی وقت بھی اپنے کاتبوں میں سے
یا خود اہلِ بیت میں کسی کو بُلا کر اُسے لکھوا سکتے تھے یا زبانی ارشاد فرما سکتے تھے۔ اس سے حضرت عمرؓ کے موقف ک

ں بالکل واضح ہو جاتی ہے انھوں نے ٹھیک سمجھا تھا کہ شدتِ مرض میں اُمت کی فلاح کے لیے حضورؐ فکر مند ہے ہیں اور کچھ نصائح لکھوانا چاہتے ہیں، کسی بنیادی مسٔلے کا فیصلہ لکھوانا اس حالت میں پیشِ نظر ں ہے۔ اس لیے اس تکلیف اور کرب کے عالم میں حضورؐ کو یہ زحمت دینا ٹھیک نہیں۔ ہمیں قلم دوات ، کے بجائے حضورؐ کو یہ اطمینان دلانا چاہیے کہ آپ ہمارے لیے پریشان نہ ہوں۔ آپ اپنی اُمّت کو وہ ب ہدایت دے کر جا رہے ہیں جو انشاء اللہ اسے کبھی گمراہ نہ ہونے دے گی۔

آخر میں حضرت علیؓ کی بھی ایک روایت ملاحظہ فرما لی جائے، جسے مسند احمد میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں تِ علی رضؓ فرماتے ہیں:۔

امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اٰتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ قال فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ داعی قال اوصی بالصّلوٰۃ والزّکوٰۃ وماملکت ایمانکم۔

مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ شانے کی ایک ہڈی لے آؤں تاکہ آپ اس میں ایک ایسی چیز لکھ دیں جس سے آپؐ کی اُمت آپؐ کے بعد گمراہ نہ ہونے پائے۔ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کے لاتے لاتے آپؐ کی وفات نہ ہو جائے اس لیے میں نے عرض کیا۔ آپؐ فرمائیں۔ میں یاد رکھوں گا اس پر حضورؐ نے فرمایا، میں وصیت کرتا ہوں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرنے کی اور ان غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی جو تمہاری ملک میں ہوں۔

(ترجمان القرآن۔ نومبر ۱۹۵۸ء)

آخری بات

یہ بحث پڑھ لی آپ نے! اب غور کیجیے۔ حضرت فاطمہؓ اور ان کے ساتھ حضرت علی رضؓ کی سیرت پاک کا
تصویریں آپ کے سامنے آتی ہیں۔ ایک تصویر وہ جو میں نے پیش کی۔ دوسری وہ جو دیگر روایتوں سے سا
آتی ہے۔ دونوں کا موازنہ کیجیے۔

پہلی تصویر

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور اگر تسلیم بھی کیا تو دل۔
نہیں صرف زبان سے۔ یعنی ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ۔ حضرت علی رضؓ خلیفہ بننے کے لیے بیقرار
حضرت فاطمہؓ کو باپ کے ترکے سے فدک کا باغ نہیں ملا تو وہ کھجوروں کے غم میں ابوبکرؓ سے ناراض رہیں اور حضر
اور حضرت علیؓ بھی یہ دولت ہاتھ سے نکلتی دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ حضرت فاطمہ رضؓ حضورؐ کی وفا
کے بعد باپ کی جدائی میں اس بے صبری اور زور شور سے آہ و بکا اور نالہ و فریاد کرتیں کہ محلے کے لوگوں
نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔ وغیرہ۔

دوسری تصویر

حضرت فاطمہ رضؓ نہایت صابر و شاکر بی بی تھیں۔ دنیا کی دولت کو ٹھیکروں سے زیادہ نہیں سمجھتی تھیں
حضرت علی رضؓ بھی ایسے ہی تھے۔ ان کے دل اور زبان میں مطابقت تھی۔ ان کے اندر نفاق نہ تھا۔ خلفا
ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کے سچے وفادار تھے۔ نہایت بہادر اور خالصتہً للہ جہاد کرنے وا
تھے۔ نام و نمود اور دولت دنیا کے دلدادہ نہ تھے۔ دونوں بزرگوں نے حدود شرع کا ہمیشہ پاس و لحاظ کیا
حضرت فاطمہ رضؓ کو باپ کی جدائی کا غم تھا لیکن اس غم کو انھوں نے اپنے دل پر مارا۔ صبر و ضبط سے کام لیا

ہ اس طرح کبھی نہیں روئیں کہ سینہ کوبی کی ہو یا ایسا نالہ وشیون کہ دوسروں کی نیندیں حرام ہوگئی ہوں

غیرہ۔

مجھے ان دونوں تصویروں میں سے حضرت فاطمہ رض اور حضرت علی رض کی دوسری تصویر پسند ہے۔ قارئینِ کرام آپ بھی اپنی

لہ فیصلہ فرمائیں۔ اللہ آپ کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔